کُلیاتِ اسعد بَدایونی

مرتب

رضوان الرضا رضوان

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

ویسٹ بلاک۔1 آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	اپریل 2008
تعداد	550
قیمت	=/205
سلسلہ مطبوعات	1294

Kulliyat Asad Badayuni

Compiled by **Dr. Rizwanu Raza Rizwan**

ISBN:81-7587-228-4

ناشر ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر کے پورم، نئی دہلی۔110066

فون نمبر 26103938، 26103381، 26179657 فیکس 26108159

ای۔میل urduduniyancpul@yahoo co in ویب سائٹ www urducouncil nic in

طابع بھارت گرافکس، C-83 بیسمنٹ اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز۔1، نئی دہلی۔110020

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جاسکتے تھے۔حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدارسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔

کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کیں ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

ڈاکٹر علی جاوید

ڈائریکٹر

انتساب

عرفان صدیقی

اور

اسعد بدایونی

کے وطن

بدایوں شریف

کے نام

اس اعتراف کے ساتھ

زبس کز مرکز اہلِ بصیرت منبع جودت
بجائے سرمہ در دیدہ کشم خاکِ بداؤں را

(خسرو)

ایک عارف باللہ کا قول

ہم اس دنیا میں اضطرار کی حالت میں آئے
حیرت کے عالم میں رہے
اور
کراہت کے ساتھ چلے گئے۔

فہرست

عرض مرتب	ڈاکٹر رضوان الرضا رضوانؔ	25
آؤ اسعد افسوں ساز کی باتیں کریں	پروفیسر اصغر عباس	28
اسعد بدایونی ایک نظر میں	اسماء خانم (بیگم اسعد بدایونی)	33
نعت: آپ ہیں اچھوں کے اچھے آپ سے اچھا ہے کون		37
وہ کہہ رہے ہیں کرم ہو آقا کہ اب تو جاں پر بنی ہوئی ہے		38

گلِ رنگیں

جب پھول چمن بن جاتا ہے جب اوس رتن بن جاتی ہے	40
جلوہ ساماں رخ جاناں نہ ہوا تھا سو ہوا	41
خوشی بھی اب سراپا غم لگے ہے	42
پوشیدہ کیوں ہے طور پہ جلوہ دکھا کے دیکھ	43
محبت کا ہوگا اثر دھیرے دھیرے	44
لوٹی تھی جب بہار ابھی کل کی بات ہے	45
جو دل کو بے نیازِ گردش دوراں سمجھتے ہیں	46
محبت میں کبھی اے چارہ گر ایسا بھی ہوتا ہے	47
قدم قدم پہ مجھے زندگی نے مارا ہے	48
یہ غلط تجھ سے کہیں دور چلا جاؤں گا	49
داستاں وصل کی اک بات سے آگے نہ بڑھی	50
اعتراف	51
قطعات	52
آبگینے	53

دھوپ کی سرحد

نظر اٹھا کے جو دیکھا اُدھر کوئی بھی نہ تھا	55
وہ جنھیں دشتِ انا سے پار ہونا تھا، ہوئے	56
تفسیر صبح و شام چلی شرح شب چلی	57
ہم ہر اک شخص کو ہی محوِ طرب جانتے ہیں	58
سارے چہرے ایک جیسے سب نگاہیں ایک سی	59
وقت کی بازگشت سے کب یہ ہوا کہ ڈر گئے	60
طلب کی راہ کا گرد و غبار بے معنی	61
مرے لیے وہ بدن قرصِ خواب آور تھا	62
پوچھو اگر تو کرتے ہیں انکار سب کے سب	63
شیشے کا بدن ہم نے بچایا بھی بہت ہے	64
سحر سے شام تلک دھوپ گھر میں رہتی تھی	65
شہر میں سیلاب آیا ایک دن	66
مری صداؤں کا پتھر ہوا میں اڑتا تھا	67
سنگ احساس پہ لکھ لکھ کے مٹاتے رہیے	68
شیرازۂ حیات بکھرنے سے رہ گیا	69
پرانے گھر سے نکل کر نئے مکان کی سمت	70
عبث ہی کاندھے پہ میں نے اسے سوار کیا	71
ہمارے شہر میں لگے تھے جتنے سخت آئینے	72
سجائے پشت پہ ماضی کا رخت آوازیں	73
راستے آگہی کے پیاسے تھے	74
نہ جانے کون تھا کس رہ گذر سے آیا تھا	75
زبان پھول سی پتھر سا سخت لہجہ تھا	76

شہروں کی زندگی کو ادھر کون لے گیا 77
دھوپ کا غازہ ہر اک چہرہ پہ ملتا سورج 78
جنگل بہت گھنا تھا مگر پُر خطر نہ تھا 79
میں نے ایسا جان کر یارو اسے چوما نہ تھا 80
تباہی کے خنجر تھے لوگوں کے پاس 81
کرب لمحوں کا بڑھ گیا ہوگا 82
تمام رات عجب شور سا رہا یارو 83
ہوا تھا ایک تماشہ مری نجات کے بعد 84
دکانوں کے شوکیس توڑے گئے 85
وہ اپنے عہد کی رسموں کو جانتا بھی نہیں 86
کشادہ کمرے نہ تھے اور سبز لان نہ تھا 87
کرتی تھیں روز آ کے مزے سے ٹھٹھولیاں 88
پیڑ سے نوچ کر پتیاں پھینک دو 89
نئی زمین نیا آسماں تلاش کرو 90
دن کی شریر دھوپ میں سایہ بھی جل گیا 91
صدا کا دشت کیوں سونا پڑا ہے 92
بڑے نادان تھے ہم ریت کو آبِ رواں سمجھے 93
میرے لہو کی بوند سے پیکر بنے کئی 94
میں بھی اس شہر میں شیشے کا بدن رکھتا ہوں 95
ہر ایک راستہ اچھی طرح دکھایا گیا 96
سب کے ہونٹوں پہ گئی رات کا قصہ پاتے 97
مرا وجود بھی صدیوں کا آئنہ ٹھہرا 98
ہر اک وجود نئی روشنی سے بھر دے گی 99

کچھ اس ادا سے بیاباں میں اک شجر ابھرا	100
نہ جانے کون سا لمحہ گزر گیا یارو	101
اداس رات کا دکھ جانتا کوئی بھی نہ تھا	102
میرا وجود صبح کی زخموں کو بھر گیا	103
ناامیدی تک ہماری ذات آتی ہی نہیں	104
پہلے تھے اپنے شہر میں بھی بیکراں درخت	105
غموں کی دھوپ سے جھلسا ہوا ہے سارا بدن	106
ہر طرف شہر میں اک سیل صدا پاؤ گے	107
تمام شہر کے زخموں کا آفتاب لیے	108
کشادہ راہ سے مری گلی کا منہ ملا بھی دو	109
ہجر کے موسم کی یادیں وصل کی راتوں میں ہیں	110
سب ہی تیرے مدح خواں ہیں زندگی اے زندگی	111
طلب کی راہوں میں سارے عالم نئے نئے سے	112
ہے سنگ تو ذروں میں بدل جائے گا اک دن	113
کبھی تھا دھوپ کبھی وہ سحاب جیسا تھا	114
زخمِ دل کے واسطے کوئی دوا لیتا چلوں	115
دکھاتے ہیں یخ زدہ پرندوں کو اونچا اڑنے کا خواب موسم	116
کشادہ راہ پہ ہم نقشِ ناتواں بن جائیں	117
لپیٹے صدیوں کا گرد و غبار دیواریں	118
شعلہ تنہائی سے سب بام و در جل جائیں گے	119
وہ لوٹ آئے گا یہ آرزو جواں رکھنا	120
مرے نصیب میں کتنی عجب مسافت تھی	121

خیمۂ خواب

میں سوچ رہا ہوں اب کے بڑا کمال ہوا	124

میں اپنی رات کو تاریک تر بناتا ہوں 125
زیاں رسیدہ جزیرے بھی میری آنکھیں بھی 126
زمیں پہ بکھرے ہوئے تیر کس کماں کے ہیں 127
موسمِ ہجر تو دائم ہے نہ رخصت ہوگا 128
جسے نہ میری اداسی کا کچھ خیال آیا 129
ابھی زمین کو سودا بہت سروں کا ہے 130
بستیوں میں آہ وزاری ہو رہی ہے شام سے 131
سایہ گھروں پہ خوف کے منظر کا ہو گیا 132
آہوئے رم خوردہ پابندِ مکاں ہوتا ہوا 133
جہاں تک نظر جائے برپا جزیروں میں ہیجان دیکھوں 134
سارے خیمے خاک سے اٹ گئے ہو گئی رن میں شام 135
لمسِ گم گشتہ کی لذت ڈھونڈ نا 136
بغیر بات کے مصروفِ گفتگو ہونا 137
مہر و مہتاب صفت ناقہ سوار اچھے تھے 138
میں وحشت خوردہ آہو تھا دنیا نے مجھے زنجیر کیا 139
مرے شجر، تجھے موسم نیا بناتے رہیں 140
تجھ سے ہیں منسوب اجڑنے کے سب شکوے گلے 141
اب ان آنکھوں سے ہر سو رقص وحشت دیکھتا ہوں میں 142
اک رات ادھورے خوابوں کا انجام ہوئی 143
کوئی فسانہ فتح و ظفر کا، کوئی کہانی خوف و خطر کی 144
وہ لوگ بھی کیسے لوگ ہیں جو کوئی بات فضول نہیں کرتے 145
واقعہ سخت ہے اے یار مگر ہونا ہے 146
باشندہ میں دشتِ زیاں کا سورج میرا ہم سایہ تھا 147

گاؤں کی آنکھ سے بستی کی نظر سے دیکھا 148

اتنے چہروں میں کوئی شکل تو پیاری نکلے 149

کچھ سائے ماضی و حال کے ہیں کچھ منظر استقبال کے ہیں 150

یقیں سے نکلے تو جیسے گماں کی زد میں ہیں 151

ساحل کی گیلی مٹی پر نقشِ کف پا کوئی نہیں ہے 152

زیاں ہمیں بھی جگر داریوں سے کیا نہ ہوا 153

پھر آنکھ کو بس اک ہی چہرہ، اور ایک ہی نام نظر آیا 154

وہ کیسے پھول لوگ تھے جو دھول ہو گئے 155

آنکھوں نے بہت دن سے قیامت نہیں دیکھی 156

دل شاخوں پر کھل اٹھیں گے پھول مرادوں والے 157

میں جھوٹا حرف گواہی کا، میں کاذب لفظ کہانی کا 158

دھوپ گہرے جنگلوں میں خیمہ زن ہوتی ہوئی 159

روشنی میں کس قدر دیوار و در اچھے لگے 160

آسماں کے سر پہ بادل کی ردا کب آئے گی 161

چند امکاں تھے نگاہوں میں کدھر رخصت ہوئے 162

ہر حقیقت پر سرابوں کا گماں ہونے کو ہے 163

پھر بجز دشت کہاں جا کے رہیں چاہنے والے تیرے 164

سب کے پیروں میں وہی رزق کا چکر کیوں ہے 165

طے کر سکا مسافتِ دنیا نہ تو نہ میں 166

خدا اگر مجھے خوابوں سے ماورا رکھتا 167

ان کے پتوار ملاح اور بادباں یاد رکھ 168

عجب دن تھے کہ ان آنکھوں میں کوئی خواب رہتا تھا 169

بجلیاں چمکیں بدن میں دشتِ جاں روشن ہوا 170

مجھ کو حیرانی ہوئی یہ رکھ رکھاؤ دیکھ کر 171
چند منصوبے مکمل ہو گئے 172
کب تک آخر نیزوں پہ سر رکھے جائیں 173
کوئی سبیل نہیں خود سے گفتگو کے سوا 174
ایک منظر بے زیاں آنکھوں کے بس میں کیوں نہیں 175
دل ایک ہی رات کا دیا ہے 176
چمک رہا ہے مرا سر بھی میں بھی دنیا بھی 177
کیا زمانہ تھا کہ سب عرصۂ جاں میرا تھا 178
گھر کی کسک وجود میں گھر کر گئی تمام 179
پیارے پیارے موسم آئے رنگوں کے فواروں جیسے 180
گھر سے نکلا تھا میں تو زیاں راہ پر اک سفر اپنی تقدیر کرتا ہوا 181
ایک ادھورے خواب کی خاطر چھوڑ دیا گھر بار 182
مجھے بھی وحشتِ صحرا پکار میں بھی ہوں 183
ترا وصال ہے بہتر کہ تیرا کھو جانا 184
ایک تسلسل ایک تواتر ایک نفی اثبات کے بعد 185
کہتے ہیں لوگ شہر تو یہ بھی خدا کا ہے 186
ہر ایک الزام کے لیے نام صرف بے مہر آسماں کا 187
کوئی شخص کب سے بسا ہوا مرے شہر جاں میں عجیب ہے 188
میں اپنے منظر سے کٹ گیا تو کہاں میری شاعری رہے گی 189
ایک منظر افق زاد لمحوں کا بے دست و پا میری آنکھوں میں ہے 190
بند تھے میرے چشم و لب اور میں سوچتا رہا 191
ہوا چراغ کی لو کو ڈراتی رہتی ہے 192

راستہ کوئی سفر کوئی مسافت کوئی	193
سہانی دھوپ نیلے آسماں سے کچھ نہیں ہوتا	194
اب احساس زیاں ہونے لگا ہے	195
کہانیوں کے پھول شاخ شاخ پر کھلے رہیں	196
شام سے خوں مری آنکھوں میں اتر آئے گا	197
گھر دیکھتے نہ گھر کے در و بام دیکھتے	198
یہی نہیں کہ مرا گھر بدلتا جاتا ہے	199
بدی کے نور سے روشن سماعتیں ساری	200
ذرا سے دل میں بسائی ہے میں نے حیرت کیا	201
پرندے پھول، تتلیاں	202
زیاں رتوں کی ایک نظم	203
اجنبی منظروں کے درمیاں	204
سجدہ خاک کا موسم	205
ایک نظم	206
دعا	207
گلہ	208
حیرتوں کے سلسلے	209
بدن دریدہ خواہشیں	210
روداد	211
ایک اداس دعا	212
جب لمس کے سورج بجھ جائیں	213

مشورہ 214

اعتراف 215

ہوا کی مسافت 216

جنوں کنارا

میں شاعر کاذب لفظوں کا میں عاشق کچے رنگوں کا 218

مری بستی پر مرے لوگوں پر اس بار عذاب نہیں آیا 219

مری انا مرے دشمن کو تازیانہ ہے 220

عجیب خوف پس جسم و جاں پکارتا ہے 221

ہوائے فکر و فن کو شہر فتنہ گر میں رہنا ہے 222

شامِ ملال کا شریک شوق وصال ہو گیا 223

ہوا کے پاس بس اک تازیانہ ہوتا ہے 224

یہ دھوپ چھاؤں کے اسرار کیا بتاتے ہیں 225

مجھے قبول اسے نا قبول ہو گئے ہیں 226

کبھی تو دعویٔ حق گوئی کرنا چاہتا ہوں میں 227

کچھ لوگ جی رہے ہیں خدا کے بغیر بھی 228

نہ انتظار نہ قول و قسم سے جاگتی ہے 229

کسی سے پیار کروں اور بھول جاؤں تو کیا 230

ہوائے صبح سے کہنا، چراغ شام سے کہنا 231

میرا دشمن تیری محفل میں نمایاں ہے تو کیا 232

نام و نسب نہ خود نہ سر دیکھا جائے گا 233

وہ خواب سرائے ویراں ہے وہ عشق کا شبہ ختم ہوا 234

اس عالمِ نکہت و رنگت سے آخر کو جدا ہر یار ہوا 235

صرف یادوں کے حوالے سے نہ بہلا مجھ کو 236

شوق، ہر شخص کو سیرِ گل و گلزار کا ہے	237
شاخ سے پھول سے کیا اس کا پتہ پوچھتی ہے	238
زیادہ خواب بھی اعصاب کو تھکاتے ہیں	239
خوشی منائیں، دلِ نوحہ گر کے ہوتے ہوئے	240
کام سب لمحہ دشوار میں ممکن ہو جائیں	241
کوئی دھنک مرے منظر میں کیوں نہیں اتری	242
کسی ہجر کا روزن کیا اک دن دیوارِ وصال میں چمکے گا	243
کسی چراغ کی چاہت میں مر نہ جاؤں میں	244
اداس گلیوں میں روشنی کی قطار کیوں ہے	245
شکستہ جسم لیے خود تو پار اتر آیا!	246
مری دھرتی کو مرے لوگوں کو موسم کا شکار تو ہونا ہے	247
جلے چراغ بھلا کیسے تا سحر کوئی	248
میں گزر رہا ہوں فریب خوردہ ساعتوں کے دیار سے	249
رہی اگرچہ نگاروں کی مہربانی بھی	250
سخنوری کا بہانہ بناتا رہتا ہوں	251
اب کے اداسیوں کی تب و تاب اور ہے	252
رگوں میں دوڑ رہا ہے یہ کس خیال کا زہر	253
بجھتے ہوئے افق سے اترتی اداس شام	254
پلک جھپکتے حقائق فسانہ ہوتے ہیں	255
جب آسمان اندھیرے میں ڈوب جاتا ہے	256
سفر نصیب میں تھا دشتِ ہو سے آگے کا	257
سورج کی طرح قریۂ مہتاب میں آیا	258
جہاں بھی جائیں یہ دل راستے میں حائل ہے	259

یہ لوگ خواب بہت کربلا کے دیکھتے ہیں 260

دیارِ عشق کی شمعیں جلا تو سکتے ہیں 261

بچھڑ کے تجھ سے کسی دوسرے پہ مرنا ہے 262

شرابِ شوق سے خالی ایاغ اور خیال 263

وہ ایک نام جو دریا بھی ہے کنارا بھی 264

جو عکسِ یار تہہ آب دیکھ سکتے ہیں 265

مقام ہول جہاں کے سفر میں آتا ہے 266

تلاشِ رزق میں دیوان کرتا رہتا ہوں 267

مآلِ برگ، ہوا کو پتہ ہے یا مجھ کو 268

ضرورت کے بھنور، حالات کے پانی میں آتے ہیں 269

دکھ ازل سے یہاں رائیگانی کے ہیں 270

نفیِ ذات کے منظر اتارنے والا 271

مرے آئنے میں نہ دیکھیے کسی ایسے ویسے ملال کو 272

دعا کا حرف یہاں محترم نہیں ہوگا 273

ہم اپنے ہجر میں اپنے وصال میں گم ہیں 274

میں دھول میں پھول کھلاتا ہوں اس موجِ رواں کے اشارے پر 275

ترا غرور مری عاجزی ہے کتنی دیر 276

دکھ بہت ہوتے ہیں یادوں کی پذیرائی میں 277

دلِ وحشی تجھے اک بار پھر زنجیر کرنا ہے 278

بدن کے طاقچے میں گرد ہے گزرے زمانوں کی 279

مجھے نظر سے تجھے شاخ سے گرا بھی گئے 280

مرے رنگ زار میں اس برس یہ کمال موجِ بلا کا تھا 281

مرے لوگ خیمہ صبر میں، مرے شہر گردِ ملال میں 282

کس نے کوئی سچ لکھا ہے، یہ فقط الزام ہے 283

ابھی دریچہ دل سے ہوا ہے کتنی دور 284

وہ آدمی جو تری آرزو میں مرتا ہے 285

نہ کوئی صبح فراق اور نہ کوئی شامِ وصال 286

وہ جب ملا تو کسی رنج رائیگاں میں ملا 287

مرے چراغ کو یہ وہم کھائے جاتا ہے 288

حریف کوئی نہیں دوسرا بڑا میرا 289

ترا چراغ، مرا دل بجھانا چاہتے ہیں 290

سچ بول کے بچنے کی روایت نہیں کوئی 291

کچھ جذبے اور جنون لیے مایوس وملول سے رہتے ہیں 292

یقیں سفر میں چراغِ گماں سے کیا ہوگا 293

دریچے طاقچے، سننے کا لطف اٹھاتے ہوئے 294

سیلِ گریہ کا سینے سے رشتہ بہت 295

اب احمق داناؤں جیسی باتیں کرتے ہیں 296

اس شہرِ عزت داراں میں ہم مال ومنال نہیں رکھتے 297

وصالِ جسم وصالِ نظر سے کم ہے بہت 298

دل ونظر کو لہو میں ڈبونا آتا ہے 299

مجھ کو یقیں بہت نہ تھا اس کو گماں بہت ہوا 300

گزشتہ کل کا سبق 301

مفروضہ 302

یہ عجیب خواب ہے 303

یہی بہت ہے 305

مجھے کوئی گواہ چاہیے 306

ایک نظم 307

دھنک جسم 308

داستانی غزلیں

جو پشت مرکب پہ شاہزادہ سوار ہوگا 310
طلسم شوق عدو کو ملے گوارہ نہیں 311
شراب شہوت درجانگی ابھارتی ہے 312
نہ شاہزادی کم فہم کی دہائی دے 313
تمام دیوانے چوب دستے اٹھائے نعرے لگا رہے تھے 314
جو لوح شوق کسی رت جگے سے پیدا ہو 315
نہیں ہوں صرف تراہات دیکھنے والا 316
لکھا تو لوح میں یہ تھا مغائرت کی جائے 317
قصر سے جینے کی آسانی چرا کر لے گیا 318
وہ شاہزادہ جو بے خواب وخور ہے زنداں میں 319
شراب پی کر کباب کھا کر سرا کا پردہ گرا دیا تھا 320
صاحب قراں بتلایئے لشکر کا عالم کیا ہوا 321
تیغۂ دھار دار کھول دیا 322
طلسم بدلا نہ لوح طلسم ہی بدلی 323
حجرۂ ہفت بلا پھر کھولے 324
وہ خوک پیکر یہاں بھی آئے گا داغ لے کر 325
پہیلیوں اور قراولوں کو وہ لے کے بہر شکار نکلے 326
تمام مرکب تمام افسر کے ہوئے تھے 327
سرائچہ چاک کر کے عیار بھاگتا ہے 328
جن سے بچنا چاہتا تھا پھر وہ جادہ آگیا 329

ورائے شعر

نئے ہزارے میں آگئے ہیں 331

پھولوں میں رنگ ہے مرے اشعار کی طرح 332

اک ربطِ جنوں ہے کہ جسے کم نہیں ہونا 333

جونور و ظلمتِ دنیا کا استعارہ بنائے 334

خواب بچوں کی محبت سے زیادہ تو نہیں 335

وقت اک دریا ہے، دریا سب بہا لے جائے گا 336

ہم اہل دل ہیں نہ جانے کدھر چلے جائیں 337

ابھی ہوس کے ہزاروں بہانے زندہ ہیں 338

سیاہ رات سے ہم روشنی بناتے ہیں 339

تم کو تو فقط روپ بدلتے ہوئے رہنا 340

شب سیاہ سے جو استفادہ کرتے ہیں 341

ہر ایک نخلِ ضرورت نشانہ میرا ہے 342

وہ شاہزادی روشن قبا ادھر آئے 343

زمیں سے خلا کی طرف جاؤں گا 344

جہاں میں ہوتا ہے کیا کیا مری رضا کے خلاف 345

میری رسوائی کے اسباب ہیں میرے اندر 346

نہ عیش کی نہ خزانے کی دھن میں رہتا ہوں 347

بدن میں شور مچایا لہو میں پھول کھلا 348

ہم اہل دل تھے سو ہم نے زمیں پہ پھول کھلائے 349

خاک تو ہم بھی ہر اک دشت کی چھانے ہوئے ہیں 350

چاروں جانب مرے آنکھیں ہیں اشارے نہیں ہیں 351

سجے سجائے ہوئے سبز منظروں سے نہ جائیں 352

میں جزیرہ ہوں تو آباد کیا جائے مجھے 353

میری نفرت بھی ہے شعروں میں مرے پیار کے ساتھ 354

بساطِ خاک پہ ہنگامۂ رواں میں کہیں 355

ملالِ عمرِ گریزاں کا کرتے رہتے ہیں 356

ہوس کا سب سے پرانا ستارہ کون سا ہے 357

ہوا، ہوس کے علاقے دکھا رہی ہے مجھے 358

احباب گلاب سے بنے ہیں 359

عشق میں ہجر کے صدمے بھی اٹھائے نہیں ہیں 360

نہ رفتگاں سے نہ آیندگاں سے رشتہ ہے 361

سمجھتے ہم تھے کہ آنکھیں ہیں خواب دیکھنے کو 362

اب تک ان آنسوؤں کا نمک کم نہیں ہوا 363

سفر بھی کوئی نہ ہو رہ گزر بھی کوئی نہ ہو 364

تمام رونقِ دنیا تھی کو بہ کو دل میں 365

جس کو ہونا ہے وہ ان آنکھوں سے اوجھل ہو جائے 366

دلوں میں درد کی شدت کو آزمائے کیوں 367

شجر پہ بیٹھے پرندے اڑا نہیں سکتا 368

خسارہ ہے تو دنیا دیکھنے میں 369

چشم و لب اور کہیں جامِ شراب اور کہیں 370

محسوس ہو رہا ہے خلا دور دور تک 371

کسی ستارے کی آرزو میں کبھی ستارہ نہیں ملے گا 372

مضموں یہ کنائے نہ اشارے کے لیے ہے 373

سارے لوگ یہی کہتے ہیں آزادوں کو غم نہیں ہوتا 374

ہر طرف معرکہ تیغ و گلو روشن ہے 375

بدن کے بحر میں بے چین موجزن اک چیز 376

کسی پردۂ غیب سے ظاہر ہو کوئی صورت ہجر کے جانے کی 377

جہانِ شوق میں ٹھہری ہے یار واں ہر چیز	378
دن ڈھلا، طلعتِ مہتاب کا آغاز ہوا	379
شجر پہ جب بھی شگوفہ دکھائی دیتا ہے	380
ہوا کا کیا ہے ذرا میں یہ رخ بدل جائے	381
خود کو ہم عشق و ہوس سب سے بری کہتے ہیں	382
ترے چراغ بھی اچھے ہیں گھر بھی اچھا ہے	383
شورشِ گریہ و فریاد سے خم ہو گئے کیوں	384
اب کون دوانوں کا بدل ہوئے گا صاحب	385
نہ ان صداؤں سے نکلو نہ اس ہوا سے بچو	386
خاک ہو جاتا ہے گلزار کا چہرہ کیسے	387
سارے لوگ انعام چاہتے ہیں	388
نہ زمین میری حریف ہے نہ زمان میرے خلاف ہے	389
تھا مکان دل کسی اور کا پہ رہا بسا کوئی دوسرا	390
اگر مرا کسی دریا سے رابطہ ہو جائے	391
طلسم خانہ موجود و ماورا کی طرح	392
ہر رسم کو راہ مت بنانا	393
عناصر راحت و لذت کے برہم ہوتے جاتے ہیں	394
محاوراتِ جنوں جا و داں کیے ہوئے ہیں	395
ہمارا شجرہ اگر رفتگاں سے ملتا ہے	396
کیا برا ہے میں اگر کوئی تماشہ ہو جاؤں	397
اچھے دنوں کے خواب مبارک ہوں آپ کو	398
یہ آرزو ہے کہ سارے جہاں میں پھول کھلیں	399
نہ اک خیال نہ اک مرحلے میں پھول کھلائیں	400

نہ فرشِ خواب نہ عرشِ گماں بناتے ہیں 401
نہ مہر و ماہ نہ افلاک جاں سے روشن ہے 402
برنگِ عشق دل و جاں میں تہہ نشیں کوئی چیز 403
سخی بہت ہیں مگر مرد مہرباں کوئی ہے 404
عشق پیچاں کی سبک بیل کے سائے سائے 405
شہر نہ لوگ ایک سے ماہ نہ سال ایک سے 406
سب یقینوں پہ مسلط تھا گماں راستے بھر 407
سوائے آہ و فغاں کیا ہے آرزو کا جواب 408
خذف تو دشت و بیابان میں چمکتے ہیں 409
فصیل قصر انا عشق نے گرا دی کیا 410
کوئی سفر نہ کریں بس گھروں میں رہ جائیں 411
ہم آسمان سخن کے نشاں بدلتے ہیں 412
ملال کس لیے یہ جشنِ شادکامی کیا 413
نہ احتجاج نہ آوارگی میں دیکھ مجھے 414
چراغ ایک جلا کر مکاں میں چھوڑ آیا 415
کیا یہ چیزیں ہزاروں سال کے بعد 416
فرصت شوق گنہگار علاقے میں نہیں 417
ہر اک یقین کو ہم نے گماں بنا دیا ہے 418
خوبیوں پر دوستوں کی خاک ڈال آتا ہے کیوں 419
قدیم وضع کی اونچی عمارتوں کی قسم 420
ان ستاروں کے اگر زیرِ نگیں رہ جائیں 421
برنگِ عشق و ہوس جیسے خواب میں کوئی چیز 422

جس کے ہم اہل نہ تھے اب کے تو وہ بات ہوئی 423

چراغ ہجر کی لو جھلملانے والی ہے 424

دلوں پر خوف بھی طاری بہت ہے 425

کیا مانگتا تھا اور وہ کیا دے گئے مجھے 426

دشتِ ہوس میں پیکِ فنا آنے والا ہے 427

یہاں تو لوگ حویلی محل بناتے ہیں 428

جدھر ہوا کی ضرورت نہیں ہوا ہے وہاں 429

بستیاں چپ ہے مکاں بھی خاموش 430

تھی کبھی اپنی جگہ مسندِ شاہی کے قریب 431

نہ میرے ہاتھوں میں دم ہے نہ نم ہے تو وہ خاک 432

جلتے بجھتے ہوئے جگنو کی طرح زندہ ہیں 433

دیارِ دل کا سفر نا تمام رہ گیا ہے 434

شب کو شراب پیجئے دن میں کتاب دیکھئے 435

میں تو کہتا تھا نہ ہو اس نے کہا ہو جائے 436

پرندا گرچہ ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں 437

پتھر پانی ہو جاتے ہیں 438

اپنے ہی وار ہیں سہنا مجھ کو 439

وہ آدمی جو ملن کی دعائیں دیتا ہے 440

شفق کے خون سے دریا سہانے ہوتے جاتے ہیں 441

دیارِ عشق کی شمعیں جلا تو سکتے ہیں 442

یہ زندہ رہنے کا موسم گزر نہ جائے کہیں 443

میں کسی کھیت سے کب فصلِ زیاں کاٹتا ہوں 444

اگر خاکے تمنا کے مکمل ہو گئے ہوتے 445

زمیں کو آسماں لکھا گیا ہے 446

ہر شخص دوسرے سے جدا کیوں ہے کچھ بتاؤ 447

ہوا اداس ہے سرسبز جنگلوں میں بھی 448

ذرا سی بات پہ لوگ انجمن بجھاتے ہیں 449

جسے میں چاہتا ہوں وہ مجھے حاصل نہیں ہوتا 450

زمیں کے جسم پہ عیار گھر اٹھاتے ہیں 451

لکھے ہوئے کو بھلا کون ٹال سکتا ہے 452

ہر ذرۂ خاکی کو گہر میں نہیں کہتا 453

ہاتھ باندھے ہوئے الفاظ کھڑے رہتے ہیں 454

سر دشت نامرادی کوئی خار مر گیا ہے 455

آئندگاں کے دل میں چبھن چھوڑ جاؤں گا 456

کھلے ہیں دشت میں نفرت کے پھول آہستہ آہستہ 457

کار سرکار نہ مداحی سرکار کے ہم 458

صبح کے نیزے پر سورج کا سر روشن 459

بچا کے میں نے رکھا کچھ نہ میرے بچوں نے 460

کس قدر لوگ ہیں اک لفظ کی رسوائی کو 461

تھے رابطے جہاں سے جنوں میں کمی بھی تھی 462

شغل دل چھوڑ دیا کار جنوں چھوڑ دیا 463

اک عدد ہم نے عشق فرمایا 464

شاعر جو غزل بکھانتے ہیں 465

طناب خیمہ جاں ٹوٹنے ہی والی ہے 466

ہر مریض سخن کو نسخہ تیز 467

سب اک چراغ کے پروانے ہونا چاہتے ہیں 468

رونے نہیں دیتا ہے سکنے نہیں دیتا 469
دل تو کہتا تھا کہ جھونکا کوئی خوشبو کا بھی ہو 470
دریائے حادثات کا پانی ہے اور ہم 471
آنکھ میں خواب بھی نہیں روح میں قہر ہے کوئی 472
منسوخ صحیفوں سے عبادت نہیں ہوتی 473
حشر کرنا ہے بپا یار کے جاتے جاتے 474
ہم فقط لقمہ تر اور شکم جانتے ہیں 475
مری طرف بھی تنی ہے کمان غم زدگاں 476
شغل رندی و ہوسنا کی تو کم کر دیا ہے 477
سفر سفر تھا پہ مجھ کو گراں زیادہ نہ تھا 478
جو لوگ راتوں کو جاگتے ہیں 479
شام زرنگار 481
ایک نظم 482
ایک بڑے شہر کا چھوٹا منظر 483
تلخیاں 484
بارش کی نظم 485
پاگل ہوائیں 486
ایک نظم 487
دو ارب سال پہلے 488
نظم 490
پچاس سال ہوئے 491
بقدر سد رمق 492
ہم اہل خوف 494
روئے سخن کسی کی طرف ہو 495
منظوم تبصرہ 'متن و معنی' 502
تسمہ پایانِ اردو 503
قطعہ/شعر 508

عرض مرتب

دیارِ دل کا سفر ناتمام رہ گیا ہے
ستارہ بجھ کے سرِ بام شام رہ گیا ہے

کلیاتِ اسعد بدایونی پیش خدمت ہے۔ شاعر کے انتقال کے بعد تمام کلام یکجا کرنا اس کی ترتیب وتزئین تحقیقی مقالہ لکھنے سے کم نہ تھا۔

میں ذاتی طور پر اسعد بدایونی مرحوم سے کافی متاثر تھا اور مجھے ان کی قربت حاصل تھی۔ وہ اپنا نیا مجموعہ کلام مرتب کر چکے تھے مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ان کی صحت زیادہ خراب ہو جانے کی صورت میں یہ کام باقی رہ گیا اور اسعد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ حالاں کہ آج بھی ایسا لگتا ہے کہ اسعد بدایونی کی وفات نہیں ہوئی ہے بلکہ کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہم لوگوں کے درمیان ہی ہیں۔

مجھ سے ان کی اہلیہ محترمہ (اسماء آپا) اور شعبۂ اردو کے بعض اساتذہ نے فرمایا کہ ان کا سارا کلام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ اکٹھا کر کے کلیات شائع کرادی جائے اس لیے کہ ان کا کوئی بھی مجموعہ اب دستیاب نہیں ہے۔ لہذا میں نے کلیات مرتب کرنا شروع کر دیا۔ بیگم اسعد بدایونی نے اس کام میں بھرپور مدد کی وہ بکھرے ہوئے کلام کو تلاش کر کے مجھے وقتاً فوقتاً دیتی رہیں اور آہستہ آہستہ یہ کام ایک عرصے کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس درمیان شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے طے کیا کہ بزرگ شاعر معین احسن جذبی صاحب اور اسعد بدایونی پر نمبر شائع کیا جائے۔ لہذا ان سے متعلق علی گڑھ میگزین کا ایک خصوصی شمارہ پروفیسر قیصر جہاں اور پروفیسر خورشید احمد صاحب کی زیرنگرانی جناب آفتاب عالم کی ادارت میں شائع کیا گیا۔ جس میں تقریباً دونوں ہی شاعروں کی شخصیت اور شاعری کے تعلق سے نہایت دقیع مضامین،

مقالے، تنقید و تجزیہ ادبی مصروفیات و سوانحی خاکے اور انتخاب کلام پر مشتمل گوشے شامل ہوئے جو تحقیقی نوعیت کے حامل ہیں۔ ان مقالہ نگاروں اور ان کی تحریروں کے عنوانات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ جنوں کنارا: ڈاکٹر ذکاء الدین شایاں۔ اسعد بدایونی کی داستانی غزلیں: شمس الرحمٰن فاروقی۔ ورائے شعر اسعد بدایونی کا آخری مجموعہ کلام: توصیف تبسم۔ جنوں کنارا: توصیف تبسم۔ اسعد بدایونی کی غزلوں کا عروضی تجزیہ: ڈاکٹر ارشد عبدالحمید۔ اسعد بدایونی اور جدید تر غزل: ڈاکٹر ارشد عبدالحمید۔ فنا کا ہاتھ مری پتیاں گراتا ہے: ڈاکٹر شہپر رسول۔ اسعد بدایونی کی شعری کائنات: راشد انور راشد۔ شعر اسعد کی محزونیت: کوثر مظہری۔ کچھ ڈاکٹر اسعد بدایونی کے بارے میں: تسلیم غوری۔ اسعد بدایونی کی غزل گوئی ایک تاثر: محمد عاصم رضوی۔ اس کے علاوہ منظوم خراج عقیدت پیش کرنے والوں میں بالخصوص جناب پروفیسر شہریار، جناب منظور ہاشمی، جناب سید سراج اجملی، راقم الحروف رضوان الرضا رضوانؔ، اور خان رضوان کے نام قابل ذکر ہیں۔

کلیات میں سب سے پہلے ان کا وہ اولین مجموعہ بھی شامل ہے جو علی گڑھ آنے سے قبل ہی بدایوں میں شائع ہوا تھا۔ میں جناب تسلیم غوری صاحب کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ''گل رنگیں'' کا عکس میرے پاس بھیجنے کی زحمت فرمائی۔

ان کی ایک کتاب دیوناگری رسم الخط (ہندی) میں بھی ''نئی پرانی غزلیں'' کے نام سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی تھی جس کی غزلیں آخر میں شامل ہیں۔

میری پوری کوشش یہی رہی ہے کہ ان کا کوئی کلام شائع ہونے سے باقی نہ رہے اس کے علاوہ بھی اگر کسی صاحب کو ان کا کوئی کلام مل جائے تو ضرور مطلع فرمائیں۔ اسعد بدایونی نے چند طنزیہ نظمیں بھی کہی ہیں۔ اس کلیات میں ان کے لیے مناسب جگہ نہیں بن سکی لہٰذا وہ خارج ہیں۔ میں شعبۂ اردو کے تمام اساتذہ ان کے رفقائے کار، احباب و متعلقین اور گوشۂ اسعد بدایونی (علی گڑھ میگزین) میں لکھنے والے تمام قلم کار حضرات اور کلیات کی اشاعت میں ہر طرح سے تعاون فرمانے والوں کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں۔ بالخصوص محترم المقام جناب پروفیسر

شہر یار، لائق صد احترام پروفیسر سید محمد امین قادری، عالی مرتبت جناب سید محمد اشرف، محترم جناب طارق چھتاری صاحبان کا شکریہ جن کی دعائیں اور نگاہ توجہ ہمیشہ شامل حال ہیں۔

کلیات میں شامل مختصر مگر جامع سوانحی مضمون بعنوان "آؤ اسعد افسوں ساز کی باتیں کریں" بطور مقدمہ پیش کیا گیا ہے میں استاد محترم پروفیسر اصغر عباس صاحب کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے اپنے ذاتی تاثرات قلم بند فرمائے۔

اس کلیات کی ترتیب محترم جناب پروفیسر خورشید احمد صاحب کی نگرانی میں ہوئی ہے جس کے لیے آپ حد درجہ میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔۲۰۰۴ء میں یو پی اردو اکیڈمی نے مرحوم کو پس از مرگ ایوارڈ پیش کیا تھا میں ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد صاحب اور اراکین اکیڈمی کا بھی شکر گزار ہوں۔ آخر میں قومی اُردو کونسل کے ذمہ داران بالخصوص عزت مآب جناب شمس الرحمٰن فاروقی، محترم جناب ڈاکٹر علی جاوید، جناب ڈاکٹر کلیم اللہ اور جناب مجیب احمد صاحبان کا شکریہ جن کی رہنمائی اس کلیات کی اشاعت میں معاون ثابت ہوئی۔

رضوان الرضا رضوان

پروفیسر اصغر عباس
ڈائریکٹر سر سید اکیڈمی سابق پروفیسر و صدر شعبہ اردو،
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

آؤ اسعد افسوں ساز کی باتیں کریں

اسعد بدایونی کی کتاب زندگی کے ابتدائی سولہ سترہ اوراق کو چھوڑ دیجیے تو باقی سارا صحیفۂ حیات میرے سامنے ہے لیکن اس پر کوئی تقریظ یا تبصرہ مقصود نہیں یہاں میں اپنے ایک عزیز شاگرد اور رفیق کار کے لوح مزار پر محبت کے چند پھول چڑھانا چاہتا ہوں۔

یاد پڑتا ہے کہ ۱۹۷۹ء یا ۱۹۸۰ء میں اسعد بی اے کے پہلے سال میں تھے میں انہیں نثر کا پرچہ پڑھاتا تھا اس وقت ان کی عمر کوئی سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ وہ کلاس میں باقاعدگی سے آتے لکچر اٹنڈ کرتے اور اکثر سوالات کے جواب بھی دیتے تھے جلد ہی میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ اردو کے سنجیدہ طالب علم ہیں اور پڑھنے لکھنے کا انہیں شوق ہے۔ جب دسمبر میں سیشنل ٹسٹ ہوا تو میں نے ان کی کاپی دیکھی اور اسے کئی بار پڑھا اور جنوری کے تعلیمی میقات میں ان کی کاپی کو میں نے کلاس کے دوسرے طالب علموں کو بھی دکھایا اور اس طرح ساری جماعت کو علم ہوگیا کہ ایک ادب وشعر سے دلچسپی لینے والا طالب علم ان کا ہم جماعت ہے۔

سر سید ہال کا میں اس زمانے میں وارڈن اور ہال کی ادبی سرگرمیوں کا نگراں بھی تھا۔ اسعد آفتاب ہال میں رہتے تھے اور اکثر ہالوں کی ادبی محفلوں میں شریک ہوتے شعروادب کی دنیا میں کچھ کرگزرنے کا جذبہ ان دنوں انہیں سرشار کیے ہوئے تھا وہ اپنی علمی استعداد کے ساتھ تخلیقی قوتوں کو بھی پروان چڑھا رہے تھے اور یہی زمانہ ہے جب ان کی شاعری کا حوصلہ بھی جوان ہورہا تھا جلد ہی علی گڑھ کے ادبی ماحول میں انھوں نے اپنی جگہ بنالی اور وہ علی گڑھ سے باہر بھی جانے پہچانے جانے لگے۔ بی اے میں امتیازی کامیابی کے بعد انھوں نے ایم اے میں داخلہ لیا میں

انہیں سر سید کا خصوصی پرچہ پڑھاتا تھا اسی دوران یاد پڑتا ہے کہ انھوں نے سر سید پر ایک دلکش نظم کہی تھی جس میں سر سید کے افکار و اعمال کے اساسی پہلوؤں کا بڑی خوبصورتی سے احاطہ کیا گیا تھا۔

کچھ دنوں بعد غالباً ۱۹۹۳ء میں شعبہ اردو میں بحیثیت لکچرر ان کا تقرر ہو گیا اور اس طرح ان سے ربط ضبط اور بڑھا انھوں نے میرے ساتھ ایک محبت کرنے والے شاگرد اور ایک شائستہ رفیق کی طرح کام کیا اور شعبہ کے مختلف کاموں میں میرا ہاتھ بٹایا مجھے اس کی خوشی ہوئی کہ ملازمت میں آنے کے باوجود جب لوگ لکھنا پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں، شعر و ادب سے ان کا لین دین بند نہیں ہوا بلکہ جاری رہا اور اس عرصے میں نظم و نثر میں ان کی کئی کتابیں شائع ہوئیں۔

وہ ایک شفیق استاد تھے، اس زمانے میں کئی طالب علموں نے مجھے بتایا کہ وہ متن کی تشریح بڑی وضاحت سے کرتے ان کے سوالات کا تشفی بخش جواب دیتے تھے اور میرا اندازہ ہے کہ وہ طلبا کو اپنی حسب مرضی متاثر کرتے تھے اور میرے خیال میں یہ ایک اچھے استاد کا شرف بھی ہے۔

شعبۂ اردو کے طلبا کے علاوہ یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے ان طلبا سے بھی ان کا ربط رہتا تھا جنھیں شاعری سے دلچسپی تھی ان کی فسوں سازی کا یہ عالم تھا کہ شعبہ میں ان کا کمرہ شاعری سے دلچسپی رکھنے والے نوجوانوں کی آماجگاہ بنا رہتا تھا وہ از سرتاپا شاعر تھے اسی لیے میں کبھی کبھی انہیں علی گڑھ میں شاعری کا مشنری کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

اسعد کی سرشت صافی اور دل آئینہ تھا وہ کھرے آدمی تھے وہ ہوا باندھنے والے یا اداکاری کرنے والے باتونی لوگوں میں نہیں تھے۔ ریاکاری اور چالاکی سے کوسوں دور تھے انہیں اگر کوئی بات ناگوار خاطر ہوتی تو برملا اظہار کرتے اکثر شعبہ میں ایسے لوگوں پر برس جاتے جن سے مستقبل میں ان کے کام نکل سکتے تھے ایسے موقعوں پر ان کی کیفیت کچھ ایسی ہو جاتی کہ طبیعت کا بند میرے روکنے کے باوجود ٹوٹ جاتا وہ بڑے تیور کے آدمی تھے انہیں دنیا سازی کا تصور ہی نہیں ملا تھا ادبی شہرت کے وہ خواہاں تو تھے اور وہ انہیں ملی بھی لیکن، وہ پیسے کو پلکوں سے کبھی نہیں اٹھاتے تھے۔

اسعد کے قریبی دوستوں میں بدایوں کے عزیز رفیع تھے دونوں ایک دوسرے کے والہ

وشیدا تھے۔عزیز رفیع ماریسن کورٹ میں رہتے تھے بعد میں پیشے کے اعتبار سے انجینئر ہو گئے لیکن ان کو شعر فہمی کا بھی بڑا ملکہ تھا اور ساتھ ہی وہ شاعری سے بھی شغل کرتے تھے بڑے ہنس مکھ، مخلص اور زندہ دل نوجوان تھے اسعد کو ان سے بے اندازہ محبت تھی عین عالم جوانی میں ان کا ایک حادثہ میں انتقال ہو گیا ان کا مجموعہ کلام اسعد نے بڑے اہتمام سے چھپوایا اور اس کی تقریب رونمائی میں ہمیں بدایوں لے گئے جب ہم علی گڑھ سے بدایوں جا رہے تھے تو راستے بھر وہ عزیز رفیع کی باتیں کرتے رہے کبھی کبھی ان کی آنکھیں کسی واقعہ کے بیان سے روشن ہو جاتیں اور ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے وہ یاد ان کی آنکھوں میں اتر آئی ہے۔

مارچ ۱۹۹۸ء میں سرسید یونیورسٹی کراچی نے سرسید صدی تقریبات کے سلسلے میں اسعد کو بھی مدعو کیا تھا وہاں بڑے اعلیٰ پیمانے پر جشن کا اہتمام تھا جس میں اس وقت کے پاکستان کے صدر اور وزیر اعظم اور سینیٹ کے چیرمین کے علاوہ ملک اور بیرون ملک کے اہل علم بھی مدعو تھے ہمارا قیام پاکستان کے ایک معروف ہوٹل اواری ٹاور کراچی میں تھا یہاں تقریباً دو ہفتے تک ہمارے شب و روز ایک ساتھ گزرے اور اسعد کو مجھے اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں بھی وہ بجائے اس کے کہ ہوٹل کی چمک دمک سے لطف اندوز ہوتے اکثر مضامین تازہ کی تلاش میں کھوئے ہوئے اور مصرعوں کی تراش خراش میں غلطاں و پیچاں نظر آتے اکثر ان کے کمرے میں کراچی کے شاعروں اور ادیبوں اور مدیروں کا جمگھٹا لگا رہتا۔ اسعد کو لطیف و نفیس کھانے کا شوق تھا اواری ٹاور کے ڈائننگ ہال میں الوان نعمت کی کمی نہ رہتی ہزار نعمتیں میز پر چنی رہتیں لیکن ان کی غذا بس اتنی ہی تھی جتنی ایک چار پانچ برس کا بچہ بغیر ڈکار لیے کھالے۔ البتہ مشروبات کے استعمال میں یہاں بھی میرے ٹوکنے کے باوجود کوئی احتیاط نہیں برتتے تھے جب کہ وہ جانتے تھے کہ موت ایک عرصے سے ان کے سامنے ناچ رہی ہے پھر بھی وہ اس سے آنکھیں چرائے رہتے۔

گذشتہ ربع صدی میں علی گڑھ کے جن شعراء نے اردو شاعری میں اعتبار کا درجہ پایا ان میں سر فہرست اسعد بدایونی ہیں۔ ان کی شاعری میں نئی اور پرانی حقیقتیں مل کر ایک نئی معنویت پیدا کرتی ہیں ان کے یہاں الفاظ، علامتیں، تراکیب سب مانوس ہیں۔ وہ اپنے ہم عصروں میں ایک

ممتاز اور منفرد لہجہ کے شاعر ہیں اسعد کی شاعری کی خاصیت یہ ہے کہ پندرہ بیس سال کی قلیل مدت میں وہ اپنے ہر مجموعہ کلام میں قطعی نئے امتیاز کے ساتھ نمایاں ہیں انھوں نے اپنے آپ کو دہرایا نہیں ہے۔ اردو شاعری میں انھیں جو اعتبار حاصل ہوا اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس میں تازگی ہے۔ انھوں نے مسلسل لکھا اور اچھا لکھا اور اپنی تہذیب و روایت کے ساتھ عصری تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا۔ غزل کے علاوہ نئے موضوعات پر ان کی نظمیں بھی بڑی فکر انگیز ہیں ان میں زندگی کا بڑا گہرا مشاہدہ ملتا ہے۔

اسعد کی طنزیہ شاعری پر ابھی توجہ نہیں دی گئی ہے حالاں کہ انھوں نے اس زمانے میں طنزیہ شاعری کو بھی ایک نیا رخ دیا ہے اور ان نظموں کے ذریعہ آج کے زوال پذیر معاشرے میں ریاکاری کا پردہ فاش کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی اس طرح کی نظمیں صمٌ بکمٌ سماج کو جھنجھوڑنے میں بڑی موثر ہیں حالاں کہ اس میدان میں انھوں نے دل لگا کر قدم نہیں رکھا۔ تاہم ان کی طنزیہ نظموں میں ایک باریک سی روشنی کی لکیر دوسرے طنزیہ نظم نگاروں سے علیحدہ دکھائی دیتی ہے۔

اسعد بدایونی ایک باشعور نثر نگار تھے۔ وہ بے ہنگم نثر نہیں لکھتے تھے۔ ان کی نثر سرسید کی روایت سے وابستہ نثر ہے۔ انھوں نے بعض رسالوں کی ادارت میں بھی حصہ لیا تھا بیخود بدایونی پر ان کی نثری تصنیف نہ صرف یہ کہ ان کی بدایوں شریف سے والہانہ لگاؤ کی عکاسی کرتی ہے بلکہ بیخود بدایونی کے حوالے سے انھوں نے بدایوں کے ان علمی ادبی اور تہذیبی واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جس سے وہاں کی تہذیبی تاریخ مرتب ہو سکتی ہے اس کتاب کا انتساب بدایوں کے نام کرتے ہوئے انھوں نے امیر خسرو کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

زبس کز مرکزِ اہلِ بصیرت منبع جودت
بجائے سرمہ دردیدہ کشم خاک بداؤں را

لیکن ان میں علاقائی عصبیت نہیں تھی اور نہ وہ اپنے وطن کے ہر خزف ریزے کو در نایاب کہنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

فروری ۲۰۰۳ء میں تقریباً ڈیڑھ مہینے کے لیے میں باہر جارہا تھا جانے سے چند روز

پہلے مجھے رخصت کرنے اسعد میرے غریب خانے پر آئے اور دیر تک بیٹھے رہے کچھ افسردہ سے تھے حسب معمول میں نے انہیں اپنی صحت کی طرف توجہ دینے کی بات کہی، نہ جانے کیوں انہیں رخصت کرتے ہوئے میں آبدیدہ ہو گیا تھا۔

ڈیڑھ مہینے کے بعد جب میں واپس ہوا تو دہلی ایرپورٹ سے باہر نکلنے پر پہلی خبر اسعد کی سناؤنی کی ملی میں سناٹے میں آ گیا مجھے چند لمحوں کے لیے لگا جیسے ایرپورٹ کی ساری روشنیاں غائب ہو گئی ہیں میں گم سم کھڑا رہا اور جب علی گڑھ کے لیے ٹیکسی پر بیٹھا تو راستے بھر دل میں محشر بپا رہا۔ میں سوچتا رہا کہ ایک افسوں ساز شاعر ایک سچی محبت کرنے والا شاگرد ایک مخلص رفیق کا رعین عالم جوانی میں اس طرح ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔

قافلہ قافلہ جاتے ہیں چلے کیا کیا لوگ
میرؔ غفلت زدہ حیران سے کیا بیٹھے ہو

اسعد بدایونی ایک نظر میں

(ترتیب اسماء خانم بیگم اسعد بدایونی)

نام	:	اسعد احمد
تخلص	:	اسعدؔ بدایونی
ولدیت	:	حاجی محمد احمد
مقامِ پیدائش	:	سہسوان (بدایوں)
تاریخ پیدائش	:	۲۵رفروری ۱۹۵۸ء
ابتدائی تعلیم	:	بدایوں
اعلیٰ تعلیم	:	ایم۔اے (اردو)، پی ایچ ڈی، اے ایم یو، علی گڑھ
ملازمت	:	لکچرر شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
اہل خانہ	:	اسماء خانم (بیگم اسعد بدایونی)،
		بڑا بیٹا: سلمان احمد، بیٹی: سمیرا احمد، چھوٹا بیٹا: فیصل احمد
تاریخ وفات	:	۵رمارچ ۲۰۰۳ء علی گڑھ
تدفین	:	بدایوں

تصانیف: شعری مجموعے

۱۔ دھوپ کی سرحد ۱۹۷۷ء

۲۔ خیمۂ خواب ۱۹۸۴ء

۳۔ جنوں کنارا ۱۹۹۲ء

۴۔ نئی پرانی غزلیں ۱۹۹۷ء (دیوناگری رسم الخط)

نثری کتب:

۱۔ داغ کے اہم تلامذہ ۱۹۸۶ء

۲۔ نئی غزل نئی آوازیں ۱۹۸۷ء

۳۔ کاروانِ رفتہ ۱۹۹۱ء

۴۔ انتخابِ کلام بیخود بدایونی ۱۹۹۰ء

۵۔ بیخود بدایونی حیات اور ادبی خدمات ۱۹۹۵ء

ادارت:

۱۔ ماہ نامہ عصر بدایوں ۱۹۷۳ء

۲۔ ماہ نامہ رعنائیاں بدایوں ۱۹۷۵ء

۳۔ ماہ نامہ روشن بدایوں ۱۹۷۶۔۸۱ء

۴۔ مجلّہ دائرے، علی گڑھ ۱۹۸۸۔۹۲ء

علمی مشاغل:

۱۔ ممبر بورڈ آف اسٹڈی کانپور یونیورسٹی

۲۔ ممتحن پی ایچ ڈی ناگپور یونیورسٹی

۳۔ ممتحن پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ

۴۔ ممتحن جیواجی یونیورسٹی، گوالیار

۵۔ نگراں ادبی و ثقافتی انجمن و مجلّہ سالانہ ”آفتاب ۲۰۰۱“ آفتاب ہال اے ایم یو علی گڑھ

انعامات:

اتر پردیش اردو اکادمی ۱۹۸۴ء — اتر پردیش اردو اکادمی ۱۹۸۷ء

اتر پردیش اردو اکادمی ۱۹۹۲ء — اتر پردیش اردو اکادمی ۱۹۹۵ء

اتر پردیش اردو اکادمی پس از مرگ ایوارڈ ۲۰۰۴ء

اعزاز:

امتیاز میر

آل انڈیا میر اکادمی لکھنؤ

نشریات:

۱۔ ایکسٹرنل سروس اردو سروس دہلی

۲۔ بی بی سی، لندن

۳۔ آل انڈیا ریڈیو، دہلی

۴۔ آل انڈیا ریڈیو، آگرہ

۵۔ آل انڈیا ریڈیو، گورکھپور

۶۔ آل انڈیا ریڈیو، رامپور

۷۔ آل انڈیا ریڈیو، ناگپور

۸۔ آل انڈیا ریڈیو، لکھنؤ

ٹیلی ویژن پروگرام:

دوردرشن، دہلی (قومی نشریاتی رابطہ)

دوردرشن، لکھنؤ (قومی نشریاتی رابطہ)

دوردرشن، پٹنہ — دوردرشن، حیدرآباد — دوردرشن، بمبئی

اہم مشاعرے:

بمبئی، کلکتہ، دہلی، حیدرآباد، پٹنہ، گورکھپور اور دوسرے شہروں کے عوامی وریڈیائی مشاعروں میں شرکت

بیرون ملک مشاعرہ: سرسید یونیورسٹی کراچی کے عالمی مشاعرے میں شرکت ۱۹۹۸ء

نعت رسول پاک ﷺ

آپ ہیں اچھوں کے اچھے، آپ سے اچھا ہے کون
کارخانے میں خدا کے مصطفیٰ جیسا ہے کون

اور بھی اللہ کے پیغامبر ہیں بے شمار
عرصۂ محشر میں لیکن سائباں بنتا ہے کون

وہ اگر ہوں ملتفت تو ہجر بھی عینِ وصال
یہ مگر اک راز ہے اس راز کو سمجھا ہے کون

یہ وہ نامِ مصطفیٰ ہے یا پیامِ مصطفیٰ
زنگ خوردہ آئنوں کو جگمگا دیتا ہے کون

جو رہِ سادہ کو کردے پیچ وخم سے آشنا
جو دل مردہ کو گرماتا ہے وہ نغمہ ہے کون

کارواں سارے ابھی تک دشتِ رنجوری میں ہیں
ساربانوں تک نویدِ سرخوشی لاتا ہے کون

☆☆☆

طرحی نعت

وہ کہہ رہے ہیں کرم ہو آقا کہ اب تو جاں پر بنی ہوئی ہے
ستم کی تلوار جن سروں پر بہت دنوں سے تنی ہوئی ہے

درود جب بھی پڑھا ہے میں نے تو سیکڑوں پھول کھل اٹھے ہیں
تمہارا جب نام لے لیا ہے تو سر پہ چھاؤں گھنی ہوئی ہے

جسے بھی اک جام مل گیا ہے وہ شخص پاکیزہ ہوگیا ہے
خم حجازی میں جس قدر ہے وہ مے نہایت چھنی ہوئی ہے

بس اک نگاہ کرم ہو آقا تو یہ خوشی کی نوید پائیں
تمہاری امت کے سر پہ دکھ کی سیاہ چادر تنی ہوئی ہے

عدو بہت چال چل رہے ہیں مگر چراغ اپنے جل رہے ہیں
یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

☆☆☆

گل رنگیں

۱۹۷۲ء

جب پھول چمن بن جاتا ہے جب اوس رتن بن جاتی ہے
اس وقت مرے من کی جیوتی اک تیز کرن بن جاتی ہے

رنگین گلوں کی یہ خوشبو پر کیف سہی بدمست سہی
جب میری گلی میں آتی ہے تو بوئے کفن بن جاتی ہے

اک لہر تمہاری یادوں کی اٹھتی ہے جو دل کے ساگر پر
جب روپ بدلتی ہے اپنا زلفوں کی شکن بن جاتی ہے

جب میری یہ رنگین غزل اندازِ ترنم پاتی ہے
لگتا ہے مجھ کو کچھ ایسا جیسے کہ دلہن بن جاتی ہے

جب پھول محبت کے انساں بوتا ہے جنوں کی راہوں میں
دوزخ بھی ارم بن جاتی ہے دنیا بھی چمن بن جاتی ہے

☆☆☆

جلوہ ساماں رخ جاناں نہ ہواتھا سو ہوا
ذرہ ذرہ مہ تاباں نہ ہوا تھا سو ہوا

کچھ تو پہلے سے ہی افسردہ تھے اہل گلشن
کچھ یہ غم خون بہاراں نہ ہواتھا سو ہوا

میں نے دیکھا ہے تری کم نگہی کاانجام
آشنائے غم دوراں نہ ہوا تھا سو ہوا

یہ عنایت یہ تراجود وکرم ہے کہ مجھے
شکوۂ تنگیِ داماں نہ ہوا تھا سوہوا

اللہ اللہ مئے ومینا کااثر بھی کیا ہے
کچھ علاج غم دوراں نہ ہوا تھا سو ہوا

یہ ترے شعر ترا حسن تغزل اسعدؔ
ترے شعروں سے جوشاداں نہ ہواتھا سو ہوا

☆☆☆

خوشی بھی اب سراپا غم لگے ہے
توجہ آپ کی کچھ کم لگے ہے

کوئی ہمدم نہیں دنیا میں لیکن
جسے دیکھو وہی ہمدم لگے ہے

میں ہوں مجبور اپنے دل سے مجھ کو
پرایا غم بھی اپنا غم لگے ہے

بہاریں ہیں چمن میں گل بداماں
خزاں کا سا مگر موسم لگے ہے

جدھر دیکھو ادھر شبنم کے آنسو
چمن کیا ہے صفِ ماتم لگے ہے

ہر اک مجبور سے کہدے یہ اسعدؔ
ہر اک مغرور کا سرخم لگے ہے

☆☆☆

پوشیدہ کیوں ہے طور پہ جلوہ دکھا کے دیکھ
اے دوست میری تاب نظر آزما کے دیکھ

پھولوں کی تازگی ہی نہیں دیکھنے کی چیز
کانٹوں کی سمت بھی تو نگاہیں اٹھا کے دیکھ

لیتا نہیں کسی کا پس مرگ کوئی نام
دنیا کو دیکھنا ہے تو دنیا سے جا کے دیکھ

دل میں ہمارے درد زمانے کا ہے نہاں
پیوست دل میں سیکڑوں پیکاں جفا کے دیکھ

جو بادہ خوار غم ہیں انہیں بھی کبھی کبھی
ساقی شرابِ حسن کے ساغر پلا کے دیکھ

بن جائے گا کبھی نہ کبھی درد ہی دوا
اسعدؔ کے دل میں درد کی شدت بڑھا کے دیکھ

☆☆☆

محبت کا ہوگا اثر دھیرے دھیرے
وہ آجائیں گے میرے گھر دھیرے دھیرے

کرو تم مداوا نہ میرے مرض کا
مٹے گا یہ دردِ جگر دھیرے دھیرے

نہ آنے کا ہے ان کے کیوں تم کو شکوہ
ضرور آئیں گے وہ مگر دھیرے دھیرے

بڑے ناز سے وہ خراماں خراماں
چلے آرہے ہیں ادھر دھیرے دھیرے

کوئی جلدی جلدی سے جائے گا اسعدؔ
جو ہم سے ہیں بے بال وپر دھیرے دھیرے

☆☆☆

لوٹی تھی جب بہار ابھی کل کی بات ہے
بلبل تھا بے قرار ابھی کل کی بات ہے

ترسا دیا ہے آج مجھے بوند بوند کو
پیرِمغاں تھا یار ابھی کل کی بات ہے

دورِ خزاں کی پھول خبر دے رہے ہیں آج
تھے مظہرِ بہار ابھی کل کی بات ہے

پھولوں کا ذکر کیا کہ اب اک خار بھی نہیں
گلشن تھا لالہ زار ابھی کل کی بات ہے

رہتا ہے دل گریزاں گریزاں سا عشق سے
تھا عشق ہی سے پیار ابھی کل کی بات ہے

ہے آج شادشاد وہی اسعدؔ حزیں
روتا تھا زار زار ابھی کل کی بات ہے

☆☆☆

جو دل کو بے نیازِ گردش دوراں سمجھتے ہیں
وہی دیباچہ تقدیرِ کائنواں سمجھتے ہیں

نہ وہ ساحل سمجھتے ہیں نہ وہ طوفاں سمجھتے ہیں
تری منزل میں ہر مشکل کو جو آساں سمجھتے ہیں

محبت کیا ہے اس کو عالمِ تقدیس کیا جانے
غم و آلام کی تعمیر کو انساں سمجھتے ہیں

خدا جانے مرے سینے میں ہے کیا کاوش پیہم
میں اپنا دل وہ اپنے تیر کا پیکاں سمجھتے ہیں

جو ٹھکرادیں بہارِ خلد کو پائے حقارت سے
وہی کچھ کچھ وقارِ منزل جاناں سمجھتے ہیں

☆☆☆

محبت میں کبھی اے چارہ گر ایسا بھی ہوتا ہے
شبِ غم کی بھی ہوجائے سحر ایسا بھی ہوتا ہے

محبت میں نظریوں تو نظر سے ملتی رہتی ہے
کبھی بے وجہ پھر جائے نظر ایسا بھی ہوتا ہے

مرے ہوتے وہ بزمِ غیر میں خاموش بیٹھے ہیں
انہیں کچھ اور ہو مدنظر ایسا بھی ہوتا ہے

یہ ہوسکتا ہے وہ ہنس کر لگادیں آگ پانی میں
زمانے میں کبھی بے چشمِ تر ایسا بھی ہوتا ہے

گزرتی ہے شبِ غم کروٹیں لیتے ہوئے اسعدؔ
سلاتا ہے کبھی دردِ جگر ایسا بھی ہوتا ہے

☆☆☆

قدم قدم پہ مجھے زندگی نے مارا ہے
ممات آکہ مرا تو ہی اک سہارا ہے

ستانے والو تمہیں یہ خبر نہیں شاید
تمہارا آج ہے موقع توکل ہمارا ہے

خیال آپ کا جب بھی گیا ہے دل سے مرے
تو دل نے آپ کو بیساختہ پکارا ہے

خدا کا شکر ہے اب تک کوئی بغیر ان کے
نہ رات کاٹی ہے میں نے نہ دن گزارا ہے

انہیں یہ طرز عمل ناگوار ہے اسعدؔ
کہ مجھ کو سارے زمانے کا غم گوارا ہے

☆☆☆

یہ غلط تجھ سے کہیں دور چلا جاؤں گا
روشنی بن کے تری بزم میں آجاؤں گا

تو بھی جب اپنے کیے پر کبھی ہوگا نادم
میں ہوں پتھر کی طرح پھر بھی پگھل جاؤں گا

بات جب ترک تعلق کی کبھی آئے گی
آپ کی برہ کی شمشان میں جل جاؤں گا

تو جہاں جائیگا سن لے مرے ہمدم یہ بھی
ہر جگہ تجھ کو میں تیرا ہی نظر آؤں گا

اپنی ہستی پہ نہ ہوں گا کبھی نازاں اسعدؔ
موت کی گود میں میں بھی کبھی سو جاؤں گا

☆☆☆

داستاں وصل کی اک بات سے آگے نہ بڑھی
آپ کی شکوہ شکایات سے آگے نہ بڑھی

لاکھ روتی رہی جلتی رہی افسوس مگر
زندگی شمع کی اک رات سے آگے نہ بڑھی

تو جفاکیش رہا اور میں وفاکوش رہا
بات تیری بھی مری بات سے آگے نہ بڑھی

یوں تو آغازِ محبت میں بڑے دعوے تھے
دوستی پہلی ملاقات سے آگے نہ بڑھی

مل گئے جب وہی شکوے وہی قصے اسعدؔ
یہ خرافات خرافات سے آگے نہ بڑھی

☆☆☆

اعتراف

آزاد نظم

کوئی رشتہ بھی نہیں آج ہے مجھ سے تیرا
یعنی ہے ترکِ تعلق تجھ سے
پھر بھی یہ دل تو نہیں مانے ہے
بارہا لب پہ ترا نام بھی آجاتا ہے
میں کہ کھو جاتا ہوں ماضی کے گھنے جنگل میں
چند یادیں ہیں جو اس دل میں بسی ہیں اب تک
آج حالات کی تلخی سے بہت گھبرا کر
نام لیتا ہوں ترا
اور میں رو دیتا ہوں
آج ہوں اپنے کیے پر نادم
کاش مل جائے ترے غم کا سہارا مجھ کو
کاش کہ ایسا ہو جائے

☆☆☆

قطعات

دل لگی میں دل گیا سو تو گیا
جان کا بچنا بھی مشکل ہو گیا
جستجوئے ماسوا کو چھوڑ کر
میں خود اپنی جستجو میں کھو گیا

یاد کی روشنی ہے یوں دل میں
جیسے ویرانے میں چراغ جلے
آپ کا بس تو مجھ پہ چلتا ہے
میرا بس آپ پر چلے نہ چلے

میرے رونے کو غلط جان کے ہنسنے والو
میں یونہی خود پہ نہ حالات پہ رو دیتا ہوں
جس پہ بے ساختہ خود آنکھ میں آنسو آئیں
میری عادت ہے کہ اس بات پہ رو دیتا ہوں

☆☆☆

آبگینے

چاند بھی دیکھتا ہے تجھ کو بری نظروں سے
کشور حسن میں دشمن ہے زمانہ تیرا

اٹھاؤ جام بدل دو نظام مے خانہ
بگڑ چکا ہے بہت میکدے کا بندوبست

پھیریں انھوں نے آنکھیں تو دنیا ہی پھر گئی
ان کی نظر کے ساتھ زمانے پلٹ گئے

اس طرح زندگی کو گزارا کریں گے ہم
ہر رہ گزر پہ تم کو پکارا کریں گے ہم

چین دیتا نہیں شب بھر کسی صورت اسعدؔ
دل ناداں کو مرے جب تری یاد آتی ہے

یوں رواں اشک ہے اس عارضِ تاباں کی طرف
ملنے والے ہوں کہیں شعلہ و شبنم جیسے

☆☆☆

دھوپ کی سرحد

۱۹۷۷

نظر اٹھا کے جو دیکھا ادھر کوئی بھی نہ تھا
سلگتی دھوپ کی سرحد پہ گھر کوئی بھی نہ تھا

نظر اٹھا کے جو دیکھا اُدھر کوئی بھی نہ تھا
سلگتی دھوپ کی سرحد پہ گھر کوئی بھی نہ تھا

ہر ایک جسم تھا اک پوسٹر شعاعوں کا
سلگتے دشت میں ٹھنڈا شجر کوئی بھی نہ تھا

چمکتے دن میں تو سب لوگ ساتھ تھے لیکن
اداس شب میں مرا ہمسفر کوئی بھی نہ تھا

ہر ایک شہر میں تھا اضطراب کا آسیب
جہاں سکون ہو ایسا نگر کوئی بھی نہ تھا

سبھی کو فنِ جراحت سے واقفیت تھی
ہماری طرح وہاں بے ہنر کوئی بھی نہ تھا

سب اپنے کمروں میں مستی کی نیند سوئے تھے
سیاہ شب میں سر رہگذر کوئی بھی نہ تھا

جو تلخ شام کے سایوں کو قتل کر دیتا
تمام شہر میں اتنا نڈر کوئی بھی نہ تھا

مرے زوال کی سب کو تھی آرزو اسعدؔ
مرے کمال سے خوش دل مگر کوئی بھی نہ تھا

☆☆☆

وہ جنھیں دشتِ انا سے پار ہوناتھا، ہوئے
ہم کو لیکن صاحبِ کردار ہونا تھا، ہوئے

کب تلک جیتے وصالوں کی تمناؤں میں لوگ
زندگی سے ایک دن بیزار ہوناتھا ہوئے

اور تھے وہ جن کو جاگیریں عطا اس سے ہوئیں
اپنی قسمت میں تو بس فنکار ہوناتھا، ہوئے

کچھ پرندوں کو ملی اونچی اڑانوں کی سزا
کچھ کو لیکن قید میں پردار ہوناتھا، ہوئے

ہم کو بنناتھا کڑی زنجیر کی، ہم بن گئے
وہ جنھیں پازیب کی جھنکار ہوناتھا، ہوئے

کوششِ پیہم سے بھی کوئی نہ بن پائی لکیر
کھینچنا تھے دائرے پرکار ہوناتھا، ہوئے

وار اپنے آپ پر کرنا تھا، اسعدؔ تہہ بہ تہہ
ہم کواک ٹوٹی ہوئی تلوار ہوناتھا، ہوئے

☆☆☆

تفسیر صبح وشام چلی شرح شب چلی
تھے جس کے انتظار میں وہ بات کب چلی

آیاتھا ایک بار کسی شوخ کاخیال
برسوں مرے بدن میں ہوائے طلب چلی

پھر شام لے کے آنے لگی درد کے چراغ
پھر دن کے ساگروں میں سنوموجِ شب چلی

میرے مکاں تک آئی توخود سرتھی کس قدر
اس کی گلی سے بادِ صبا با ادب چلی

اوروں کا ذکر زور کے لہجے میں تھامگر
میری ہی بات صرف وہاں زیرِ لب چلی

سچائیاں دبی ہیں کبھی جھوٹ سے جناب
کاغذ کی ناؤ گہرے سمندر میں کب چلی

ہیں دشتِ دل میں جتنے شجر سب کے جسم سے
اترے ہیں برگِ سبز ہوا تیز جب چلی

☆☆☆

ہم ہر اک شخص کو ہی محوِ طرب جانتے ہیں
غمزدہ اور بھی ہیں شہر میں کب جانتے ہیں

تیری رفتار سمجھتے ہیں صبا کا چلنا
پھول کا کھلنا تری جنبشِ لب جانتے ہیں

کتنے بھولے ہیں مرے شہر کے رہنے والے
جب بھی سورج پہ گھٹا چھاتی ہے شب جانتے ہیں

اس کے غم ہی نے عطا کی ہے بلندی مجھ کو
جس کو سب میری تباہی کا سبب جانتے ہیں

سادہ الفاظ سے کھاتے ہیں معانی کا فریب
ہم غزل والے بھی ہر شے کو عجب جانتے ہیں

اپنے چہرے کو بدل کر نہ مل ان سے اسعدؔ
شہر کے لوگ ترے بارے میں سب جانتے ہیں

☆☆☆

سارے چہرے ایک جیسے سب نگاہیں ایک سی
ہیں ہمارے عہد کے لوگوں کی راہیں ایک سی

ایک سی جھنکار ہے زنجیر ہو پازیب ہو
سارے زنداں ایک سے سب رقص گاہیں ایک سی

آخرش مجھ کو سمندر میں اتر جاناپڑا
جب ملیں سارے جزیروں میں پناہیں ایک سی

سب کے دروازے مقفل سب کے روزن بے صدا
ہیں ہمارے شہر میں سب بارگاہیں ایک سی

چاہتا ہے تو اگر ہم ظلمتوں کو دیں شکست
ایک سے دل دے، عطا کر ہم کو باہیں ایک سی

☆☆☆

وقت کی بازگشت سے کب یہ ہوا کہ ڈر گئے
درد کی دھوپ ڈھل گئی ہجر کے دن گزر گئے

تیز قدم نکل گئے دھوپ کی سرحدوں سے دور
راہ کی چھاؤں دیکھ کر سست قدم ٹھہر گئے

لوگ بھی ہیں نئے نئے شہر بھی ہیں نئے نئے
باتیں وہ کھو گئیں کہاں رستے وہ سب کدھر گئے

بارشِ رنگ ونور سے جان چمن میں پڑگئی
پھول تمام کھل اٹھے پیڑ سبھی نکھر گئے

نکلے چلے تھے نرمیاں گھر سے گلوں کی صبح کو
برگِ خزاں تھے شام جب لوٹ کے اپنے گھر گئے

ہم کو ہوائے وقت نے دی ہے شکست بارہا
سیپ کی طرح بند تھے گل کی طرح بکھر گئے

شعر لکھوں تو کس طرح نظم کہوں تو کیوں بھلا
میری زبان چھن گئی ہاتھ مرے کتر گئے

توڑنا تھیں روایتیں ،موڑنا تھیں حکایتیں
لوگ وہ خود پسند تھے ہنستے ہوئے جو مر گئے

☆☆☆

طلب کی راہ کا گرد و غبار بے معنی
گلوں کے سامنے ہوں جیسے خار بے معنی

دکانِ شیشہ گری کا خیال لاحاصل
دیارِ سنگ میں یہ کاروبار بے معنی

گئے دنوں کی طرح لوٹ کر نہ آئے گا
اب اس کا لاکھ کرو انتظار، بے معنی

مرے خیال میں سب دشت، دشت جاں سے حقیر
مری نگاہ میں سارے دیار بے معنی

بچھڑنے والوں کی یادوں سے دل ہی دکھتا ہے
گذشتہ لمحوں کو کرنا شمار بے معنی

بغیر جوشِ جنوں شعر بے مزہ بے کار
بغیر فصل اگے برگ و بار بے معنی

☆☆☆

مرے لیے وہ بدن قرصِ خواب آور تھا
مگر وصال نہ ہونا مرا مقدر تھا

کہیں نشیب کہیں تھے فراز رنگ بھرے
وہ جسم تھا کہ کوئی خوشگوار منظر تھا

کہاں تلاش کروں قربتوں کے انگارے
تمام رات بہت سرد میرا بستر تھا

میں اب بھی اس کو گلابوں کی طرح جانتا ہوں
کہے ہزار زمانہ اسے کہ پتھر تھا

ترے بدن کا جزیرہ تھا مجھ کو جائے پناہ
پھر اس کے بعد بہت دور تک سمندر تھا

تمام رات کا حاصل فقط یہی اک خواب
سکوتِ مرگ میں ڈوبا ہوا مرا گھر تھا

اندھیرے اس کو بھی ہمراہ لے گئے اسعدؔ
وہ ایک شخص کہ جو روشنی کا پیکر تھا

☆☆☆

پوچھو اگر تو کرتے ہیں انکار سب کے سب
سچ یہ کہ ہیں حیات سے بیزار سب کے سب

اپنی خبر کسی کو نہیں پھر بھی جانے کیوں
پڑھتے ہیں روز شہر میں اخبار سب کے سب

تھا ایک میں جو شرطِ وفا توڑتا رہا
حالاں کہ باوفا تھے مرے یار سب کے سب

سوچو تو نفرتوں کا ذخیرہ ہر ایک دل
کرتے ہیں یوں تو پیار کا اظہار سب کے سب

زنداں کوئی قریب نہیں اور نہ رقص گاہ
سنتے ہیں اک عجیب سی جھنکار سب کے سب

میدانِ جنگ آنے سے پہلے پلٹ گئے
نکلے تھے لے کے ہاتھ میں تلوار سب کے سب

ذہنوں میں کھولتا تھا جو لاوا وہ جم گیا
مفلوج ہو کے رہ گئے فنکار سب کے سب

☆☆☆

شیشے کا بدن ہم نے بچایا بھی بہت ہے
دنیا نے مگر ہم کو ستایا بھی بہت ہے

بجھتی ہوئی آہوں کو عطا کی ہیں ضیائیں
اٹھتے ہوئے نالوں کو دبایا بھی بہت ہے

گر آج بناتے ہیں لکیریں نہ کہو کچھ
الفاظ کو کاغذ پہ سجایا بھی بہت ہے

ہے لوچ ترے نرم بدن کا سا دھنک میں
موسم نے ترا رنگ چرایا بھی بہت ہے

ہم جس کے سبب دن کا الم بھول گئے تھے
اس شخص نے راتوں کو جگایا بھی بہت ہے

پھسلے ہیں بہت سخت چٹانوں کے بدن سے
کائی پہ مگر پاؤں جمایا بھی بہت ہے

خوشیاں ہی نہیں رنج بھی وابستہ ہیں اس سے
اپنا بھی بہت ہے وہ پرایا بھی بہت ہے

☆☆☆

مرے مکان کا آنگن بہت کشادہ تھا
سحر سے شام تلک دھوپ گھر میں رہتی تھی

یہ انجماد ہے کیسا مجھے بتاؤ کچھ
ہوا کہاں گئی وہ جو سفر میں رہتی تھی

سیاہ رات کے گاؤں سے بھاگنے کے بعد
چڑیل شام کی دن کے نگر میں رہتی تھی

سفر ضرور کریں اجنبی دیاروں کا
یہی سمائی ہوئی سب کے سر میں رہتی تھی

سنا ہے سات سمندر تھے اس کے پنجے میں
وہ ایک روح جو پیاسے کھنڈر میں رہتی تھی

سفر سے جس کا تعلق نہ تھا کوئی اسعدؔ
وہ رہگذر بھی ہماری نظر میں رہتی تھی

☆☆☆

شہر میں سیلاب آیا ایک دن
رہ گئے سب لوگ تنہا ایک دن

شہر کی دوکانیں خالی ہو گئیں
اس قدر سودا خریدا ایک دن

جان کر مجھ کو کوئی ردّی، کتاب
اس نے الماری میں پھینکا ایک دن

رو اٹھے سن کر سماعت کے مکاں
اپنی بربادی کا قصہ ایک دن

سب ہرے پیڑوں پہ زردی چھا گئی
باغ میں آسیب آیا ایک دن

دھوپ کی گرمی سے بچنے کے لیے
پیڑ کی چھاؤں میں سویا ایک دن

سوچتے ہی سوچتے سب سو گئے
مسئلہ کچھ ایسا الجھا ایک دن

☆☆☆

مری صداؤں کا پتھر ہوا میں اڑتا تھا
لہو ٹپکتا ہوا سر ہوا میں اڑتا تھا

سفید دن کے روانہ زمیں سے ہوتے ہی
سیاہ رات کا پیکر ہوا میں اڑتا تھا

سبھی کے قد سے تھا اس کا وجود بالاتر
جو ایک سبز صنوبر ہوا میں اڑتا تھا

جو آج کار کے پہیوں سے دب گیا یارو
وہ اپنے جسم کے اندر ہوا میں اڑتا تھا

ضرور ہی کوئی جادو کیا گیا مجھ پر
جو کل کی شب مرا بستر ہوامیں اڑتا تھا

ہر ایک گاؤں کا منظر زمیں سے چپکا رہا
تمام شہروں کا منظر ہوا میں اڑتا تھا

پڑوس والوں کی کوشش کے باوجود اسعدؔ
سنا ہے میں نے مرا گھر ہوا میں اڑتا تھا

☆☆☆

کوئی منظوم کہانی کوئی نثری جملہ
سنگِ احساس پہ لکھ لکھ کے مٹاتے رہیے

ورنہ جم جائے گا سردی سے لہو ہر اک کا
آنچ جسموں کی ذرا اور بڑھاتے رہیے

ایسا ممکن ہے کہ ان سے کوئی پیکر بن جائے
آپ بکھرے ہوئے ذروں کو اٹھاتے رہیے

ایک سرسبز سے موسم کی علامت بنئے
اور ہر سمت یہاں خاک اڑاتے رہیے

اک نہ اک دن تو پگھل جائیگی یہ برف آخر
آگ یخ بستہ مکانوں میں جلاتے رہیے

☆☆☆

شیرازۂ حیات بکھرنے سے رہ گیا
خنجر مرے بدن میں اترنے سے رہ گیا

موٹر کی زد میں آ کے بچا جانے کس طرح
کیسے وہ شخص راہ میں مرنے سے رہ گیا

کس کی دعا سے وقت کی آندھی اتر گئی
کیوں سائبانِ جسم بکھرنے سے رہ گیا

برداشت کیسے کی مری بے باک گفتگو
وہ کیوں مری زبان کترنے سے رہ گیا

چہروں کے رہگذار سنوارے گئے مگر
زخموں کا لالہ زار نکھرنے سے رہ گیا

سیلاب اس بلا کا چڑھا تھا کہ الاماں
پانی میں سارا شہر اترنے سے رہ گیا

اس نقش کی جو قدر ہے اسعدؔ کسے خبر
وہ نقش جو جبیں پہ ابھرنے سے رہ گیا

☆☆☆

پرانے گھر سے نکل کر نئے مکان کی سمت
بہت سے لوگ گئے اک عجب جہان کی سمت

پکارتا ہے جو صدیوں سے ہم کو اے یارو
چلو چلے چلیں اس ٹوٹے سائبان کی سمت

جو ایک عمر سے رہتا تھا برف زاروں میں
چلا ہے کس لیے جلتی ہوئی چٹان کی سمت

ملا تھا راہ میں بیٹھا جو ایک دن ہم کو
سنا ہے جا چکا وہ شخص آسمان کی سمت

مرا جہاز جو پہنچے گا اس جزیرے میں
نہ کوئی غور سے دیکھے گا بادبان کی سمت

کبھی جو سوچا ہے حق بات کہہ دوں اے اسعدؔ
بڑھی ہیں قینچیاں کتنی مری زبان کی سمت

☆☆☆

وہ ایک شخص جو قابل تھا آپ چلنے کے
عبث ہی کاندھے پہ میں نے اسے سوار کیا

اگا اگا کے ہری پتیاں نئی رت نے
برہنہ پیڑ کی شاخوں کو سایہ دار کیا

مری سمجھ میں نہیں آتا وہ نہ بھیگا کیوں
لہو بھرے ہوئے دریا کو جس نے پار کیا

دراڑیں پڑ گئیں تازہ بنے مکانوں میں
کہ زلزلے نے ہر اک شے میں انتشار کیا

ہر ایک سمت سے مجھ پر نگر کے لوگوں نے
بغیر دھار لگے چاقوؤں سے وار کیا

ہر ایک شخص کو اس شہر کے سنو اسعدؔ
جدید قدروں سے میں نے ہی ہمکنار کیا

☆☆☆

وجودیت کا کرب کھا گیا سبھی کو توڑ کر
ہمارے شہر میں لگے تھے جتنے سخت آئنے

کہاں سے آ گئے ذرا کوئی انہیں نکال دے
زمین سنگ لاخ پر یہ نیک بخت آئنے

قدم ذرا سنبھال کر رکھو ہمارے شہر کی
ہر ایک راہ میں پڑے ہیں لخت لخت آئنے

ہوائے تند کی ہیں منتظر تمام کھڑکیاں
فضا میں پھیل جائیں گے تمام سخت آئنے

نجات دھوپ سے ملے گی ہر کسی کو دوستو
لگا رہے ہیں ہر طرف نئے درخت آئنے

چٹخ نہ جائیں دیکھنا دنوں کی تیز دھوپ سے
رکھے ہوئے ہیں پشت پر شبوں کا رخت آئنے

میں پتھروں کے شہر کی طرف کبھی گیا نہیں
مری صدا کو کہہ رہے ہیں کیوں کرخت آئنے

☆☆☆

سجائے پشت پہ ماضی کا رخت آوازیں
حسین موڑ سے گزری تھیں سخت آوازیں

چھٹا تھا شہر مرا مجھ سے جن کی خاطر اب
یہاں بھی آ گئیں وہ لخت لخت آوازیں

میں لوٹنے جو لگا دشت سے نگر کی طرف
لگا رہے تھے مجھے سب درخت آوازیں

فضا میں پھیل گئیں گرد کی طرح آخر
سنائی دیتی تھیں اکثر جو سخت آوازیں

الاؤ جسم کا ٹھنڈا اگر ہوا یارو
تو برف بن کے جمیں گی کرخت آوازیں

پسند آئی اسے سنگ و تیشہ ہی کی صدا
جنوں کو دیتے رہے تاج و تخت آوازیں

سیاہ بخت نگر میں سنائی دیں مجھ کو
ہر ایک موڑ پہ کچھ نیک بخت آوازیں

یہ نرم لہجے کے انساں بڑے بھیانک ہیں
مجھے پسند ہیں اسعدؔ کرخت آوازیں

☆☆☆

راستے آگہی کے پیاسے تھے
اور ہم بے حسی کے مارے ہوئے

زرد سورج سروں کے اوپر تھا
لوگ سائے کے نام سے چونکے

ہم تھے آوارگانِ شب یارو
دوپہر کو ٹہلنے کیوں نکلے ؟

میری غزلوں کو پڑھ کے آئے ہیں
مجھ سے ملنے کچھ اجنبی چہرے

پھر خموشی کا جال ٹوٹا ہے
پھر صداؤں کے دائرے پھیلے

دن کے شہروں سے آئے تھے جو لوگ
رات کے دشت میں بھٹکتے رہے

☆☆☆

نہ جانے کون تھا کس رہ گذر سے آیا تھا
تھکن سے چور وہ لمبے سفر سے آیا تھا

تھا اپنے جسم پہ کچھ شعبدے سجائے ہوئے
ضرور وہ کسی جادو نگر سے آیا تھا

ہوا بھی سرد تھی موسم بھی تھا اداس بہت
پلٹ کے شام جو میں تیرے گھر سے آیا تھا

ہر ایک بستی نشیبوں کی بھر گئی جس سے
وہ سیلِ سنگ پہاڑوں کے سر سے آیا تھا

تھا اپنے ساتھ لیے اس کے جسم کی خوشبو
جوایک جھونکا ہواکا ادھر سے آیا تھا

لہو میں بھیگا ہواجسم پر کٹے بازو
اتر کے ایک پرندہ شجر سے آیا تھا

حسیں محل کی فصیلیں نگل گئیں اس کو
جو ایک سایہ نکل کر کھنڈر سے آیا تھا

☆☆☆

زبان پھول سی پتھر سا سخت لہجہ تھا
نگر میں سب کا بڑا ہی کرخت لہجہ تھا

قدیم آئنہ خانوں کے بام و در لرزے
مری صدا کا بڑا ہی کرخت لہجہ تھا

شکست فاش ہوئی تھی یہ کن صداؤں کو
فضا میں بکھرا ہوا لخت لخت لہجہ تھا

بگڑ گیا تھا مقدر نہ جانے کیوں اس کا
اس آدمی کا بڑا نیک بخت لہجہ تھا

سنانے والی تھی فطرت کسی کا افسانہ
تمام باغ زباں ہر درخت لہجہ تھا

اسے بھی چھین لیا وقت کی ہواؤں نے
مرے خلوص کا اسباب ورخت لہجہ تھا

میں بادشاہ تھا لوگوں کے ذہن کا اسعدؔ
خلوص تاج مرا اور تخت لہجہ تھا

☆☆☆

شہروں کی زندگی کوادھر کون لے گیا
غاروں کی سمت میرا ہنر کون لے گیا

یہ راستے جو دھوپ سے تپتے ہیں آج کل
ان سے وہ سایہ دار شجر کون لے گیا

اب تو بڑا اداس ہے ہر صبح کا وجود
وہ اوس میں نہائی سحر کون لے گیا

دریا بھی اضطراب سے کھاتا ہے پیچ وتاب
میرے بدن کی راکھ ادھر کون لے گیا

کیوں سنگ میل بن گیا ہر شخص شہر کا
وہ حوصلہ وہ عزمِ سفر کون لے گیا

شبنم کا آئینہ ہے نہ پھولوں کی نکہتیں
آرائشِ عروسِ سحر کون لے گیا

☆☆☆

دھوپ کا غازہ ہر اک چہرہ پہ ملتا سورج
روز آتا ہے مرے شہر میں جلتا سورج

ایک مدت سے اندھیروں کا بسیرا ہے یہاں
ان پہاڑوں سے بھی اے کاش نکلتا سورج

لو کی تیزی سے مکانوں کے بدن زخمی ہیں
وہی موسم ہے وہی قہر اگلتا سورج

یہ بھی لوگوں کے پسینے کا سبب پالیتا
اپنی گرمی سے کسی دن جو پگھلتا سورج

سانولی شام بھی دلہن کی طرح لگتی ہے
تم نے دیکھا ہی نہیں دوستو ڈھلتا سورج

سبز جسموں کا کہیں نام نہیں تھا اسعدؔ
سب تو پتھر تھے وہاں کس کو نگلتا سورج

☆☆☆

جنگل بہت گھنا تھا مگر پُر خطر نہ تھا
پھر اس کے بعد کوئی بھی اگلا سفر نہ تھا

سنتے ہیں آج جس کو اڑا لے گئی ہوا
اس دشت بے کنار میں اپنا تو گھر نہ تھا

وہ دیکھنے میں لگتا تھا سرسبز کیوں مجھے
بستی میں جس کے دل کی کوئی بھی شجر نہ تھا

لایا تو میں نکال کے ساگر کے جسم سے
یہ اور بات سیپ کے اندر گہر نہ تھا

سب منزلوں کو پانے کے خواہاں تو تھے مگر
دل میں کسی بھی شخص کے عزم سفر نہ تھا

بپھرے سمندروں سے گزرنا تھا کارِ سخت
جب تک ترا خیال مرا ہم سفر نہ تھا

اسعدؔ زمین چھوڑ گئی ساتھ بھی تو کیا
میں جانتا تھا کوئی مری پشت پر نہ تھا

☆☆☆

میں نے ایسا جان کر یارو اسے چوما نہ تھا
وہ دہکتی آگ تھا اک برف کا ٹکڑا نہ تھا

سیکڑوں بادل برس کر راہ اپنی لگ گئے
لیکن اس صحرا کی طرح کوئی بھی پیاسا نہ تھا

ڈھونڈھ کر سورج کا ٹکڑا ایک لے آئے تھے لوگ
برف جسموں کا مگر صبح تلک پگھلا نہ تھا

پیڑ کے سب آم کچے ہیں کوئی پکا نہیں
تیز جھونکوں نے ہوا کے یہ کبھی سوچا نہ تھا

چار جانب سے مجھے گھیرے تھا فکروں کا ہجوم
شہر سے گاؤں میں جانے کا کوئی رستہ نہ تھا

میرے جنگل کی زباں کو جو سمجھ لیتا ذرا
ان بھرے شہروں میں اسعدؔ ایک بھی ایسا نہ تھا

☆☆☆

تباہی کے خنجر تھے لوگوں کے پاس
صداؤں کے پتھر تھے لوگوں کے پاس

چھتیں جابجا ٹوٹی پھوٹی ملیں
پرانے سبھی گھر تھے لوگوں کے پاس

میں تنہا سرابوں پہ جیتا رہا
بہت سے سمندر تھے لوگوں کے پاس

کسی نے بھی اڑنے کی کوشش نہ کی
بڑے دل نشیں پر تھے لوگوں کے پاس

مرے گھر کی دیواریں سونی تھیں سب
لہو رنگ منظر تھے لوگوں کے پاس

کسی کو نہ تھا دھوپ کا کوئی ڈر
کہ سائے کے پیکر تھے لوگوں کے پاس

کہیں بھی مگر اک جزیرہ نہ تھا
نگاہوں کے ساگر تھے لوگوں کے پاس

☆☆☆

کرب لمحوں کا بڑھ گیا ہوگا
اس نے جب میرا خط پڑھا ہوگا

ایک بچہ غلیل سے اپنی
پیڑ کے پھول توڑتا ہوگا

ٹوٹ کر شب کو جھیل میں یارو
چاند کا جسم گر گیا ہوگا

صبح کا شہد پینے والوں نے
شام کا زہر پی لیا ہوگا

جن کے الفاظ دھندلے دھندلے تھے
ان کتابوں میں کیا ملا ہوگا

صاف شیشوں کی کھڑکیوں پر برف
خاک کی طرح جم گیا ہوگا

آنے والے دنوں کا خواب اسعدؔ
جانے کس کس کو دیکھنا ہوگا

☆☆☆

تمام رات عجب شور سا رہا یارو
یہ کون جھیل میں خوابوں کی گر گیا یارو

بہت تمنا تھی تاروں کے بن میں جانے کی
کسی نے مجھ کو بتایا نہ راستہ یارو

بس ایک وار میں سر کٹ کے گر گیا دن کا
ہوائے شام کا خنجر کچھ ایسا تھا یارو

سبھی درخت تھے مقروض پیاسے جنگل میں
ہوا کے سامنے کوئی نہ رک سکا یارو

ہمارے ذہن میں تڑپا کئے ہزاروں لفظ
کسی بیاض میں خالی ورق نہ تھا یارو

پکارتا ہی رہا سب کو زور زور سے میں
مگر نہ کوئی بھی میری طرف مڑا یارو

☆☆☆

ہواتھا ایک تماشہ مری نجات کے بعد
لہو کے دشت کا چرچا مری نجات کے بعد

تمام شہر میں پھیلی تھی چاندنی اس دن
ہنساتھا چاند کاچہرہ مری نجات کے بعد

ہر ایک سمت مرے بھیڑ تھی سوالوں کی
سبھی تھے میرے شناسا مری نجات کے بعد

سبھی درختوں سے پنچھی سہم سہم کے اڑے
وہ اک سکوت جو ٹوٹا مری نجات کے بعد

ضرورہی کسی گڑیا کا گھر گرا ہوگا
عجیب شور سااٹھا مری نجات کے بعد

ہر ایک شخص کومیری تلاش ہے اب تک
کوئی سکوں سے نہ بیٹھا مری نجات کے بعد

میں سائبان تھاہر جسم کے لیے اسعدؔ
ہرایک دھوپ سےجھلسا مری نجات کے بعد

☆☆☆

دکانوں کے شوکیس توڑے گئے
تباہی کے پنجے مروڑے گئے

ہر اک جسم پرسرخ پرتیں ملیں
جہاں تک صداؤں کے کوڑے گئے

ہدف پر لگے اپنے جاکر سبھی
اندھیرے میں جوتیر چھوڑے گئے

زمیں کی تباہی سے دل بھر گیا
مزائل خلاؤں میں چھوڑے گئے

اندھیرے سے لوگوں کادم گھٹ گیا
بھرے شہر کے بلب پھوڑے گئے

مرے عہد کی گرم دوپہر میں
بدن سنتروں کے نچوڑے گئے

☆☆☆

وہ اپنے عہد کی رسموں کو جانتا بھی نہیں
لہو کے لمس کی لذت سے آشنا بھی نہیں

ہرایک شخص مگن اپنی دھن میں چلتا ہے
چلو گے ساتھ کوئی مجھ سے پوچھتا بھی نہیں

ہمارے جسم پہ ہیں برف کی دبیز تہیں
بہت دنوں سے کہیں دھوپ کا پتہ بھی نہیں

ہر ایک شخص پریشاں ہے اجڑے موسم سے
حسین رت کے مگر خواب دیکھتا بھی نہیں

سنا ہے فکر کے ساحل پہ کائی ہے یارو
عجیب بات ہے اب تک کوئی گرا بھی نہیں

نہ جانے کیوں وہ خلاؤں میں کھوگیا جاکر
میں سوچتا ہوں کہ میں نے تو کچھ کہا بھی نہیں

یہ شب کی جھیل میں ہے شور کس لیے اسعدؔ
ابھی تو چاند کا پتھر کوئی گرا بھی نہیں

☆☆☆

کشادہ کمرے نہ تھے اور سبز لان نہ تھا
مرے پڑوس میں ایسا کوئی مکان نہ تھا

سنا رہے تھے سبھی قصہ سنگ باری کا
کسی بدن پہ مگر چوٹ کا نشان نہ تھا

چرا کے لے گیا کوئی مٹھاس لہجے کی
سنا ہے پہلے یہ شخص اتنا بد زبان نہ تھا

بہت سے لوگ ملاقات کو کھڑے تھے وہاں
کسی کے ملنے کی جس راہ میں گمان نہ تھا

میں دے چکا تھا بہت اس کو گالیاں لیکن
مری طرف سے ذرا بھی وہ بدگمان نہ تھا

سلگتی دھوپ تھی حدِ نظر تلک اسعدؔ
مری نگاہ میں کوئی بھی سائبان نہ تھا

☆☆☆

کچھ نوجوان ساعتیں برگد کی چھاؤں میں
کرتی تھیں روز آ کے مزے سے ٹھٹھولیاں

گاؤں میں چھپروں کے مکاں قہقہوں بھرے
شہروں میں ہم نے پائیں اداسی کی کھولیاں

مسلی ہوئی ہے گھاس کی چادر جگہ جگہ
شاید یہاں پہ ٹھہری تھیں آوارہ ٹولیاں

میری سمجھ میں ایک بھی آیا نہ ان کا لفظ
کتنی عجیب عجیب تھیں لوگوں کی بولیاں

کوئی بھی اپنے شہر میں خالی نہیں ہے اب
بھر لی ہیں خواہشات سے لوگوں نے جھولیاں

پھر بھی سبھی کو نیند کا شکوہ ہے دوستو
ہر رات لوگ کھاتے ہیں خوابوں کی گولیاں

میرے بدن کا خون مگر کم نہ ہو سکا
میرے لہو سے کھیلی گئیں کتنی ہولیاں

☆☆☆

پیڑ سے نوچ کر پتیاں پھینک دو
اس کے سر سے یہ بارِ گراں پھینک دو

نیچے آنے کو سب لوگ بے تاب ہیں
بام اونچی ہے کچھ رسیاں پھینک دو

کتنی مانگیں زمیں پر ہیں سونی ابھی
آسماں سے ذرا کہکشاں پھینک دو

اس نئے دور کی کھائی میں دوستو!
پچھلے وقتوں کا ہر اک نشاں پھینک دو

کوئی شوکیس آئے جہاں بھی نظر
ایک پتھر اٹھا کر وہاں پھینک دو

صرف مہنگی زمیں پر کرو اکتفا
اپنے کمرے کی سب کرسیاں پھینک دو

روشنی سے نہ محروم کوئی رہے
تیرگی کی طرف بتیاں پھینک دو

☆☆☆

نئی زمین نیا آسماں تلاش کرو
جو سطحِ آب پہ ہو وہ مکاں تلاش کرو

نگر میں دھوپ کی تیزی جلائے دیتی ہے
نگر سے دور کوئی سائباں تلاش کرو

ٹھٹھر گیا ہے بدن سب کا برف باری سے
دہکتا کھولتا آتش فشاں تلاش کرو

ہر ایک لفظ کے معنی بہت ہی اتھلے ہیں
اک ایسا لفظ جو ہو بیکراں تلاش کرو

بہت دنوں سے کوئی حادثہ نہیں گزرا
کسی کے تازہ لہو کا نشاں تلاش کرو

ہر اک کے راز سے واقف ہو کہہ رہے ہیں سبھی
مرے بدن میں کوئی داستاں تلاش کرو

☆☆☆

دن کی شریر دھوپ میں سایہ بھی جل گیا
افسوس میرے شہر کا موسم بدل گیا

وہ میرے عہد میں تھا ریاضی کا بادشاہ
بالکل درست اس کے سوالوں کا حل گیا

آیا تھا بھاری بوٹ پہن کر جولان میں
وہ بدتمیز گھاس کی چادر کچل گیا

ماحول ہوگیا ہے بڑا تیرگی پرست
اک چاند کا وجود بھی لوگوں کو کھل گیا

اسعدؔ عجیب بات ہے راتوں کا زہر بھی
مکڑی کی طرح سب کے ہی چہروں پہ پھل گیا

☆☆☆

صدا کا دشت کیوں سوناپڑا ہے
ہوا کو بھی تلاشِ گمشدہ ہے

تمہارے شہر کا ہر ایک انساں
بڑی حیرت سے مجھ کو دیکھتا ہے

ہمیں معلوم ہے ہرراز اس کا
ہمارے ساتھ وہ برسوں رہا ہے

جسے دیکھا تھا کل صبحِ نظر نے
وہ منظر دھند میں گم ہوگیا ہے

کیاتھا ہم نے جو کل جمع سونا
وہ اب میدان میں بکھرا پڑا ہے

کھڑے تھے دھوپ میں مدت سے یارو
بڑی مشکل سے یہ سایہ ملا ہے

بلا کی سخت سردی پڑرہی ہے
لہو میرے بدن کا جم گیا ہے

☆☆☆

بڑے نادان تھے ہم ریت کو آبِ رواں سمجھے
کھجوروں کے درختوں کو گھنیرا سائباں سمجھے

چمن میں میرے آنسو تھے جنھیں شبنم کہا سب نے
فلک پر میری آہیں تھیں جنھیں سب کہکشاں سمجھے

کبھی تجھ کو غبارِ رنگ میں کوئی کرن جانا
کبھی تجھ کو گرفت سنگ میں جوئے رواں سمجھے

کئی بے مہر صبحوں کو عطا کی روشنی ہم نے
کئی نامہرباں راتوں کو بھی ہم مہرباں سمجھے

خزاں کے شہر میں بس میں بہاروں کی علامت تھا
مرے زخموں کوسب پھولوں کی نازک پتیاں سمجھے

ترا عکسِ حسیں برسوں تلک رکھانگاہوں میں
تری یادوں کے نشے اپنی رگ رگ میں رواں سمجھے

سبھی کو دے رہاتھا وہ دعا جینے کی صدیوں تک
ہمارے شہر کے سب لوگ اس کو بدزباں سمجھے

گزرتے موسموں میں گم ہوئی جینے کی ہر خواہش
ہر اک آتے ہوئے لمحے کومرگِ ناگہاں سمجھے

ہمارے جسم سے لپٹی پڑی رہتی ہیں ساری شب
تری یادوں کو بھی ہم بدچلن سی لڑکیاں سمجھے

تھکے بیٹھے تھے کچھ پنچھی لب دریا جنھیں اسعدؔ
ہم اپنی پرشکستہ خواہشوں کا کارواں سمجھے

☆☆☆

میرے لہو کی بوند سے پیکر بنے کئی
قطرے کے ساتھ ساتھ سمندر بنے کئی

جولوگ زندگی میں تھے چٹان کی طرح
ٹوٹے تو شاہراہ کے پتھر بنے کئی

اک میں ہی رہ گیا تھا سلگتے دیار میں
بھڑکی جو آگ دشت کے منظر بنے کئی

قاتل تمام عمر سکوں ڈھونڈتا رہا
میرے بدن سے کرب کے نشتر بنے کئی

ہم تشنگی کے دشت میں بھٹکے تمام عمر
خوابوں کے رہگزار سمندر بنے کئی

کوئی نہ میرے ساتھ گیا دشتِ خوں کی سمت
کہنے کے واسطے مرے ہمسر بنے کئی

اسعدؔ اسی نگر میں ہے وہ آدمی کہیں
جس کے بدن سے خوں کے سمندر بنے کئی

☆☆☆

میری جانب بھی کوئی سنگ ملامت آئے
میں بھی اس شہر میں شیشے کا بدن رکھتاہوں

ہے ہر اک ٹوٹتے تارے سے مجھے ہمدردی
ہر ابھرتے ہوئے سورج سے جلن رکھتا ہوں

مجھ کو سمجھو نہ فقط نرم گلابوں کی طرح
جان لو یہ بھی میں کانٹوں کی چبھن رکھتا ہوں

کیاخبر ان سے ہی پھر ایک چمن بن جائے
اب بھی مرجھائے ہوئے سرو وسمن رکھتاہوں

یہ خطا ہی مجھے مصلوب کرے گی اسعدؔ
شہر خاموش میں آواز کا فن رکھتاہوں

☆☆☆

ہر ایک راستہ اچھی طرح دکھایا گیا
جب اس نگر میں اسے پہلی بار لایا گیا

سڑک کنارے ملے تھے جواں لہو کے نشاں
کوئی سراغ مگر اس کا پھر نہ پایا گیا

کہانیاں تھیں کئی اس پہ گزرے وقتوں کی
وہ اک پہاڑ جو بارود سے اڑایا گیا

پڑھے بغیر ہی سب اس کا راز جان گئے
اک اشتہار جو ہر موڑ پر لگایا گیا

تمام شہر خلاؤں میں جانے والا ہے
اس ایک شخص کو یہ راز کیوں بتایا گیا

جگا سکی نہ اسے کوئی روشنی اسعدؔ
وہ اک چراغ جسے جبر سے سلایا گیا

☆☆☆

سب کے جسموں پہ نئے دن کے تھکن کا شکوہ
سب کے ہونٹوں پہ گئی رات کا قصہ پاتے

قتل سورج کا ہوا دن کو پتہ بھی نہ چلا
یہ خبر ہم کسی اخبار میں چھپوا پاتے

دھوپ نے سارا لہو چھین لیا جسموں سے
ورنہ لوگوں کے بدن جلد نہ پتھرا پاتے

اتنی ہمت ہی نہ تھی جس کے سہارے یارو
ہم سویروں کا لہو شام کو دکھلا پاتے

گاؤں بھر میں جو بخیلی کے لیے تھا مشہور
شہر میں اس کی عنایات کا شہرہ پاتے

☆☆☆

مرا وجود بھی صدیوں کا آئنہ ٹھہرا
اجاڑ دشت کا منظر بڑا گھنا ٹھہرا

یہاں یہ دھوپ کی تیزی وہاں درخت کی چھاؤں
نگر سے گاؤں کا موسم بہت جدا ٹھہرا

پرانا دور نشیبوں کی سمت جاتا تھا
نیا زمانہ فرازوں کا راستہ ٹھہرا

نجات دھوپ سے پائی مسافروں نے یہاں
ہمارے جسم کا سایہ بہت گھنا ٹھہرا

یہ نیلی گولیاں اپنے ہی پاس رہنے دو
ہمارا اور تو دنیا میں لا دوا ٹھہرا

دنو ں کا شہد کہاں ہے ہمارے شہروں میں
شبوں کا زہر سبھی کے بدن میں آ ٹھہرا

☆☆☆

ہر اک وجود نئی روشنی سے بھر دے گی
سیاہ رات چمکتی ہوئی سحر دے گی

اسی پہ چلتے رہیں تھوڑی دیر اس کے بعد
یہ کچی راہ ہمیں پختہ رہگذر دے گی

مرا وجود تو اک ریت کا گھروندا ہے
ہوائے تیز مجھے پاش پاش کردے گی

یہ سرد شام مری چائے کی پیالی کو
سلگتے دن کی سبھی تلخیوں سے بھردے گی

اٹھا کے بیج کسی دوسری جگہ چلیے
زمینِ خشک بھلا کس طرح شجر دے گی

بہار اب کے جو گزرے گی شہر سے اسعدؔ
مرے بدن کو لبادہ لہو سے تر دے گی

☆☆☆

تمام کہنہ درختوں کے ہوگئے سرخم
کچھ اس ادا سے بیاباں میں اک شجر ابھرا

مری نگاہ بھی منظر تمام کھو بیٹھی
اداس رات کا سایہ پس سحر ابھرا

کسی تباہی کی آمد کا پیش خیمہ تھا
وہ ایک شخص جو دریا میں ڈوب کر ابھرا

دنوں کی تلخیاں سب مٹ گئیں بس اک پل میں
سیاہ چیختی شب سے نیا نگر ابھرا

مری سمجھ میں تب آیا کہ ماجرا کیا ہے
جب اک کٹا ہوا دریا کی تہہ سے سر ابھرا

پناہ مل گئی صدیوں سے جلتے لوگوں کو
سلگتے دشت میں جب برف پوش گھر ابھرا

تمام لفظ خیالوں کے ہوگئے دھندلے
ہماری فکر کے پردے پہ اک کھنڈر ابھرا

☆☆☆

نہ جانے کون سا لمحہ گزر گیا یارو
زمانہ اہل محبت سے ڈر گیا یارو

کہاں سے لائیں وہ خورشید تابناک کی ضو
کہ روشنی کا زمانہ گزر گیا یارو

مکاں کے سامنے کچھ سائے سے ملے مجھ کو
کبھی جو رات گئے اپنے گھر گیا یارو

بڑی عجیب کہانی ہے اس کے جیون کی
وہ اپنے سائے سے ٹکرا کے مرگیایارو

جو میرے دل پہ لگایا تھا جلتے سورج نے
وہ زخم چاند کی کرنوں سے بھر گیایارو

وہ ایک شخص جو کاندھے پہ لاش رکھے ہے
ابھی ابھی تو یہیں تھا کدھر گیا یارو

☆☆☆

اداس رات کا دکھ جانتا کوئی بھی نہ تھا
مری طرح اسے پہچانتا کوئی بھی نہ تھا

سب اپنے قد کو صنوبر سمجھ رہے تھے وہاں
مرے وجود کو گردانتا کوئی بھی نہ تھا

وہ جس کی لاش سڑک پر پڑی ہوئی تھی کل
اس ایک شخص کو پہچانتا کوئی بھی نہ تھا

سب اپنی دھن میں مگن اپنی فکر میں گم تھے
نصیحتوں کو مری مانتا کوئی بھی نہ تھا

میں اجنبی تھا وہاں سب کے واسطے اسعدؔ
ترے نگر میں مجھے جانتا کوئی بھی نہ تھا

☆☆☆

میرا وجود صبح کی زخموں کو بھر گیا
میں شب کے آسمان پہ جاکر بکھر گیا

کس آرزو میں گھر سے چلا ہوگا دوستو
سنتے ہیں ایک شخص سرِ راہ مر گیا

ہر سمت ایک دھند کی چادر ملی ہمیں
خوش رنگ منظروں کا زمانہ گزر گیا

پھر آسماں پہ شام کے آسیب آگئے
آکاش سے دنوں کا پرندہ اُتر گیا

تھک تھک کے لوگ سوگئے پیڑوں کی چھاؤں میں
منزل تلک ہر ایک کا عزمِ سفر گیا

☆☆☆

ناامیدی تک ہماری ذات آتی ہی نہیں
جیتنا سیکھا ہے ہم نے مات آتی ہی نہیں

ذہن کے گنبد میں ہر آواز گم ہے آج کل
سرحدِ لفظ و بیاں تک بات آتی ہی نہیں

برف زاروں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں کب سے میں
درمیاں شعلوں کے میری ذات آتی ہی نہیں

بادلوں کے رخ ہیں دریاؤں کی جانب دوستو
خشک صحرا میں کبھی برسات آتی ہی نہیں

گمشدہ موسم کی یادیں دل میں رکھنا ہے فضول
بھاگتے لمحوں کی تتلی ہات آتی ہی نہیں

چھپ کے بازاروں میں اے اسعدؔ کوئی ایسی کتاب
جس میں ہوں احساس کے صفحات آتی ہی نہیں

☆☆☆

پہلے تھے اپنے شہر میں بھی بیکراں درخت
ہر سمت اب تو دھوپ ہے یارو! کہاں درخت

بے چارے چاہتے ہیں کہ پتوں کو نیند آئے
ہر رات کہہ رہے ہیں نئی داستاں درخت

پتے سلگتی دھوپ نے سارے جلادیئے
اپنے لیے ہی بن نہ سکے سائباں درخت

وہ گاؤں ریگ زار میں تبدیل ہوگئے
پچھلے برس دکھائی دیے تھے جہاں درخت

چھاؤں میں ان کی حادثے ہوتے ہیں روز و شب
کتنی ہی وارداتوں کے ہیں راز داں درخت

باغوں میں کیوں نہ آئے گی سورج کی روشنی
خود کاٹنے لگا ہے ہر اک باغباں درخت

اسعدؔ ہمارا عہد تو بنجر زمین ہے
بیکار ہی لگائے ہیں تم نے یہاں درخت

☆☆☆

غموں کی دھوپ سے جھلسا ہوا ہے سارا بدن
پھر آفتاب جلاتا ہے کیوں ہمارا بدن

ہر اک نگاہ میں بجلی سی کوند جاتی ہے
سڑک سے کوئی گزرتا ہے جب کنوارا بدن

مجھے لگا کہ وہ شاید کوئی مفکر ہے
اداس آنکھیں، تھکاچہرہ اورہارا بدن

سبھی کا خاک زمیں بن کے پھیل جاتا ہے
کہ وہ ہمارا بدن ہو یا ہو تمہارا بدن

اب آگئے ہیں انہیں منزلوں پہ ہم دونوں
بدن کوکرنے لگا ہے جہاں اشارہ بدن

☆☆☆

ہر طرف شہر میں اک سیل صدا پاؤ گے
ان ہواؤں میں دیئے کیسے جلاپاؤگے

دورِ حاضر کے اندھیرے میں گرفتار ہو تم
آنکھ ماضی کے اجالوں سے ملاپاؤگے

اب نہ گردش میں نظر آئے گی تتلی کوئی
شاخ پر اب نہ کوئی پھول کھلاپاؤگے

کس لیے جمع کیے تم نے یہ کھوٹے سکے
ان کوبازار میں کس طرح چلاپاؤگے

ٹوٹ جاؤں گا مگر سر نہ جھکاؤں گا کبھی
مجھ میں ہر لمحہ شجر کی سی اناپاؤگے

آنچ غزلوں میں سلگتے ہوئے جذبوں کی ہے
تم مرے شعر زمانے سے جدا پاؤگے

تم پہ گویائی کے سب راز کھلیں گے اسعدؔ
مہر ہونٹوں پہ اگر چپ کی لگاپاؤگے

☆☆☆

تمام شہر کے زخموں کا آفتاب لیے
یہ کون آیا ہے نیلاہٹوں کے خواب لیے

میں اپنے گھر سے جو کل دوپہر ڈھلے نکلا
ملا تھا ایک شجر دھوپ کی کتاب لیے

یہ کس کی آنکھ سے یادوں کے پھول گرتے ہیں
یہ کون جاتا ہے ٹوٹا ہوا رباب لیے

تمام شہر پہ فرسودگی کے سائے ہیں
ہر ایک آنکھ ہے دوشیزگی کے خواب لیے

ہر ایک تکتا ہے حیرت سے مجھ کو اے اسعدؔ
نگر میں پھرتا ہوں لفظوں کا انقلاب لیے

☆☆☆

کشادہ راہ سے میری گلی کا منھ ملا بھی دو
وصالوں کا مزہ تھوڑا سہی اس کو چکھا بھی دو

ہماری آنکھ کے آنسو نہ پی جائے کہیں سورج
بہت دن ہو چکے ہیں اب صفِ ماتم بچھا بھی دو

ہجومِ زرد میں لوگوں کے پھنس کر رہ گیا ہوں میں
مجھے تنہائیوں کے سبز جنگل سے صدا بھی دو

نژادِ سنگ سے میرا تعلق ٹھیک ہے لیکن
مرے ہاتھوں میں پل بھر کے لیے ایک آئینہ بھی دو

برس بیتے ہزاروں، دیکھتے یہ ملگجا منظر
ردائے ابر نیلے آسماں سے اب ہٹا بھی دو

درختوں پر ابھی کچے ہیں پھل آہستہ ہو جائے
ہوائے تیز کو اتنا مرے یارو بتا بھی دو

سکوتِ پارہ پارہ بس نہ جائے روح میں سب کی
مری مانو تو شب کی جھیل میں پتھر گرا بھی دو

تم اپنی ذات کے اظہار سے ڈرتے رہو لیکن
ہمارا عکس ہے جس میں وہ آئینہ دکھا بھی دو

☆☆☆

ہجر کے موسم کی یادیں وصل کی راتوں میں ہیں
کچھ گلے شکوے یقیناً سب مناجاتوں میں ہیں

دھوپ کے موسم میں تھے پایاب دریاسب مگر
کیسے کیسے خشک منظر اب کے برساتوں میں ہیں

ہیں معطر اب بھی شامیں تیری خوشبو کے طفیل
ضوفشاں جگنو ترے اب بھی مری راتوں میں ہیں

تشنگی صدیوں کی قربت سے نہ بجھ پائی مری
لوگ کتنے مطمئن تھوڑی ملاقاتوں میں ہیں

دوسروں نے اپنی تقدیروں کے بل سلجھا لیے
زلف پیچاں ہم ابھی الجھے تری باتوں میں ہیں

بس گئے شہرِ حقیقت میں وہ جن کے دل نہیں
اہل دل تو اب بھی خوابوں کے مضافاتوں میں ہیں

آج ٹوٹے گا یقیناً پھر طلسم آئینہ
سارے چہرے مشتعل ہیں سنگ سب ہاتھوں میں ہیں

☆☆☆

سب ہی تیرے مدح خواں ہیں زندگی اے زندگی
ایک ہم ہی بدزباں ہیں، زندگی اے زندگی

ویسے تونے توکرم پورا کیایادوں کے ساتھ
اب بھی کچھ چشمے رواں ہیں،زندگی اے زندگی

شعلگی حاصل ہوئی جن کو وہ انساں اور تھے
ہم چراغوں کادھواں ہیں،زندگی اے زندگی

لڑرہے ہیں سر پھری موجوں سے ہم تیرے لیے
کشتیاں بے بادباں ہیں، زندگی اے زندگی

جوحقیقت تھے کبھی مانند مہر نیم روز
وہ سبھی اب داستاں ہیں زندگی اے زندگی

اب نہ وہ گل ہیں کہ جن پر باغباں کوناز تھا
اب نہ ویسی تتلیاں ہیں زندگی، اے زندگی

جو تجھے پانے کی خاطر ہنستے ہنستے مرگئے
یہ انہی کی بستیاں ہیں، زندگی اے زندگی

☆☆☆

طلب کی راہوں میں سارے عالم نئے نئے سے
شجر حجر لوگ شہر موسم نئے نئے سے

چمک رہا تھا فلک پہ سورج نیانیا سا
لٹا چکی تھی خزانے شبنم نئے نئے سے

ہیں اب بھی آنکھوں کے دیدبانوں میں اپنی وہ دن
لگے دیارِ سحر کو جب ہم نئے نئے سے

تموجوں کی رگوں میں شورش نئی نئی سی
لہو کے جھگڑے بدن میں پیہم نئے نئے سے

پرانے ہوتے ہوئے صحیفے درخت انساں
یہ چاند سورج ستارے ہر دم نئے نئے سے

کبھی تو آئیں گے شاخِ دل پر گلاب تازہ
ملیں گے اسعدؔ ہمیں بھی موسم نئے نئے سے

☆☆☆

ہے سنگ تو ذروں میں بدل جائے گا اکدن
وہ موم اگر ہے تو پگھل جائے گا اکدن

بچپن سی محبت نہیں تلوار سے اس کو
مٹی کے کھلونوں سے بہل جائے گا اکدن

ابھرے گا حقائق کا سلگتا ہوا سورج
مہتاب تری یاد کا ڈھل جائے گا اکدن

پوری نہ کرو پھولوں سے ضد بچے کی ورنہ
تاروں کی تمنا میں مچل جائے گا اکدن

سایوں کا نگر اس لیے بےچین ہے کب سے
وہ دھوپ کی سرحد سے نکل جائے گا اکدن

کھوٹا تم اسے جان کے پھینکو نہ سڑک پر
یہ سکہ بھی بازار میں چل جائے گا اکدن

وہ شخص نظر آتا ہے جو زندہ حقیقت
اخبار کی خبروں میں بدل جائے گا اکدن

☆☆☆

کبھی تھا دھوپ کبھی وہ سحاب جیسا تھا
وجود اس کا سویرے کے خواب جیسا تھا

سمجھ رہے تھے اسے لوگ تیرگی زادہ
مگر وہ میرے لیے آفتاب جیسا تھا

بس ایک پل کی رفاقت کے بعد ٹوٹ گیا
کبھی نہ مل کے بچھڑنا حباب جیسا تھا

ہماری آنکھ نہ تھی حرف آشنا افسوس
ہر ایک شخص کا چہرہ کتاب جیسا تھا

یہ دورِ ہجر تو ہے ٹوٹتے نشے کی طرح
وہ قربتوں کا زمانہ شراب جیسا تھا

ہر ایک شخص ترستا تھا خشکیوں کے لیے
تمام شہر میں کچھ سیل آب جیسا تھا

نہ جانے آج یہ کیسا جمود ہے اسعدؔ
اسی زمین پہ کل انقلاب جیسا تھا

☆☆☆

زخمِ دل کے واسطے کوئی دوالیتا چلوں
پھول کچھ گلشن سے کچھ بادِ صبا لیتا چلوں

وہ یہ کہہ کر چل دیا دربارِ منصف کی طرف
اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا لیتاچلوں

پھر مجھے آنا نہیں ہے لوٹ کر اس شہر میں
آخری شب ہے عزیزوں کی دعا لیتا چلوں

خشک صحراؤں سے خالی ہاتھ کیاجاؤں ادھر
بارشوں میں بھیگنے کا حوصلہ لیتا چلوں

آئنوں کی چیخ سے خاموشیاں مٹ جائیں گی
میں بھی اپنے ساتھ کچھ سنگ صدالیتاچلوں

نفرتیں سردی سے غصہ دھوپ سے برکھا سے پیار
موسموں سے زندگی کی ہر ادالیتا چلوں

میں نے یہ سیکھاتھا اک عرصہ ہوا اجدا د سے
جب سفر میں ڈر لگے نام خدا لیتا چلوں

☆☆☆

دکھاتے ہیں یخ زدہ پرندوں کو اونچا اڑنے کا خواب موسم
کبھی یہ موجوں کے آبلے تو کبھی ہیں یارو سراب موسم

ہماری چاہت کی شاخ پر اب نہیں ہے پتا کوئی سلامت
ہماری آنکھوں کے دیدبانوں میں تھے کبھی باریاب موسم

وہ اور تھے جن کو موسموں نے کرن کرن چاندنی عطا کی
زیادہ تر لیکے آئے یارو مرے لیے آفتاب موسم

ہماری بستی ہمارے جنگل میں پیاس بکھری ہے کتنے دن سے
کبھی تو ہمراہ لے کے آئیں کوئی بڑا سیل آب موسم

کہاں سے آئے ہیں کس نے بھیجا ہے کس کے پابند ہیں یہ پوچھوں
مگر نہ جانے سوال سادہ کا دیں گے کیسا جواب موسم

یہ روشنائی کے قافلے بھی غبار شب کا بنیں گے حصہ
اڑا کے لے جائیں گے کسی دن ورق ورق ہر کتاب موسم

☆☆☆

کشادہ راہ پہ ہم نقشِ ناتواں بن جائیں
بلندیوں میں نشیبوں کی داستاں بن جائیں

سلگتی دھوپ میں اوروں کی فکر چھوڑیں بھی
یہی بہت ہے کہ ہم اپنا سائباں بن جائیں

غبارِ رنگ ہی بنتا نہیں ضروری کچھ
کسی چراغ سے اٹھتا ہوا دھواں بن جائیں

گرائیں ابر کی بوندوں کے تیر دھرتی پر
افق کے پار چمکتی ہوئی کماں بن جائیں

جو سورجوں کے طرفدار ہیں کہو ان سے
کبھی کبھی وہ ستاروں کے ترجماں بن جائیں

اگر رکیں تو زمانہ ہمارے ساتھ رکے
سفر شروع کریں ہم تو کارواں بن جائیں

☆☆☆

لپیٹے صدیوں کا گردوغبار دیواریں
ہمیں دکھائیں گی کیاآرپار دیواریں

ہمارے شہر میں سورج کادوست کوئی نہیں
ہر اک مکان کی ہیں سایہ دار دیواریں

یہاں جوآتے تھے اسپ صبا پہ بیٹھے ہوئے
گراگئے ہیں وہی شہسوار دیواریں

ہمارے ہاتھ تھے فولاد توڑنے والے
قدم قدم پہ ملیں بے شمار دیواریں

جوچاہتا ہے کہ کچھ دھوپ بھی یہاں آئے
ذرا مکان کی نیچے اتار دیواریں

مکاں نہیں ہے کوئی کاغذی یہاں لیکن
چھپی ہوئی ہیں پس اشتہار دیواریں

مراوجود بھی اک سیل آب تھا اسعدؔ
اگرچہ راہ میں آئیں ہزاردیواریں

☆☆☆

شعلہ تنہائی سے سب بام ودر جل جائیں گے
چند دن کی بات ہے بوڑھے کھنڈر جل جائیں گے

سن رہا ہوں جلد ہی برسیں گے سنگِ آفتاب
اور میرے شہر میں جتنے ہیں گھر جل جائیں گے

جائے گا عزمِ سفر منزل پہ تنہا دوستو
راہ کی گرمی سے سب اہل سفر جل جائیں گے

خاک رہ جائے گی اک مٹھی حقیقت کی فقط
سارے افسانے طویل ومختصر جل جائیں گے

ایک دن اس دشت پر سورج کا دل آجائے گا
ایک دن اس دشت کے سارے شجر جل جائیں گے

کیوں مجھے دیتا ہے تو اونچی اڑانوں کی سزا
دھوپ کا موسم ہے ظالم میرے پر جل جائیں گے

آگ ہر لمحہ تعاقب کررہی ہے آپ کا
آپ اسعدؔ لاکھ رہیے باخبر جل جائیں گے

☆☆☆

وہ لوٹ آئے گا یہ آرزو جواں رکھنا
بچا کے اس کے لیے عمر رائیگاں رکھنا

ہماری موت کا ماتم کچھ اس طرح کرنا
ہمارے بعد چراغوں کو ضوفشاں رکھنا

سنا ہے دھوپ کی راہیں طویل ہوتی ہیں
کسی کے قرب کا ہمراہ سائباں رکھنا

ہوا اڑا کے نہ لے جائے کوئی سی پارہ
ورق ورق مرے خوابوں کی داستاں رکھنا

ہمارے عہد کے ہر شخص کا یہ شیوہ ہے
دلوں میں خواب نگاہیں دھواں دھواں رکھنا

خرامِ ابر ہے پھر اپنی بستیوں کی طرف
خوش آمدید کو اسعد متاعِ جاں رکھنا

☆☆☆

مرے نصیب میں کتنی عجب مسافت تھی
کہ دھوپ دھوپ چلا سائے کو عداوت تھی

نہ چاندنی میں ہی پچھلا سا تھا سکوں اب کے
نہ دھوپ میں ہی ترے جسم کی تمازت تھی

ہر ایک چیز کے اونچے تھے نرخ کیا لیتے
ہماری جیب میں بس اپنے فن کی قیمت تھی

کوئی نہ تھا کہ جو اس راہ کا نہ ہو راہی
ہر ایک چہرے پہ گردِ رہِ ملامت تھی

ہمارے شہر میں ایسا بھی اک مفکر تھا
جسے خلوص سے چڑھ تھی وفا سے نفرت تھی

وہ ایک شخص کہ جو بے زبان تھا اسعدؔ
سنا ہے اس کو بھی لفظ و بیاں پہ قدرت تھی

☆☆☆

خیمۂ خواب

۱۹۸۴ء

کیا زمانہ تھا کہ سب عرصۂ جاں میرا تھا
خیمۂ خواب سر جوئے رواں میرا تھا

میں سوچ رہاہوں اب کے بڑا کمال ہوا
مجھے اس سے بچھڑتے وقت ذرا نہ ملال ہوا

اک محفل کچھ دن گرم رہی ہنگاموں کی
اوراس کے بعد سبھی کچھ خواب وخیال ہوا

اب یاد سفر کاقصہ ہے بس اتنا سا
مجھے پیاس لگی،مرے ہونٹ جلے میں نڈھال ہوا

مجھے روک دیا پھر دنیا کی زنجیروں نے
پھر خشک زباں پر میری حرف وصال ہوا

ہاں اپناقبیلہ یکتاہے بدبختی میں
کب ہم میں کوئی سردار بلند اقبال ہوا

اک دکھ سے بھرا دن اورکٹا اس پستی میں
اک سورج کاپھر تاریکی میں زوال ہوا

☆☆☆

میں اپنی رات کو تاریک تر بناتا ہوں
پھر اے چراغ ، تجھے معتبر بناتا ہوں

گرفت جو نہیں ہوتا وہ کس کا پیکر ہے
یہ نقش کیا ہے جسے رات بھر بناتا ہوں

ہوا کی لوح پہ لکھتا ہوں وہم کے منظر
پس خیال کوئی رہ گزر بناتا ہوں

رمیدگی کے بیاباں مجھے پکارتے ہیں
میں خود کو حاملِ زنجیر در بناتا ہوں

میں ایک شاخ کو تلوار کرکے لڑتا ہوں
میں اک گلاب کو اپنی سپر بناتا ہوں

تمام رات سمندر صدائیں دیتا ہے
تمام رات جزیرے میں گھر بناتا ہوں

☆☆☆

زیاں رسیدہ جزیرے بھی میری آنکھیں بھی
بکھر رہے ہیں کنارے بھی میری آنکھیں بھی

یہ دیکھنا ہے کرن کس طرح سے گزرے گی
کھلے ہوئے ہیں دریچے بھی میری آنکھیں بھی

لکھا ہے سب کے مقدر میں تہہ نشیں ہونا
بھنور نصیب، سفینے بھی میری آنکھیں بھی

میں انتشار کا مارا ہوا مسافر ہوں
بھٹک رہے ہیں یہ رستے بھی میری آنکھیں بھی

گداز برف جو خورشید لمس سے پگھلی
توروا ٹھے کئی چشمے بھی میری آنکھیں بھی

خزاں نے مجھ کو بھی قربت سے ہم کنار کیا
کہ زرد ہوگئے پتے بھی میری آنکھیں بھی

☆☆☆

زمیں پہ بکھرے ہوئے تیر کس کماں کے ہیں
بڑے عجیب مناظر دیارِ جاں کے ہیں

مہیب رات ہے جنگل ہے اور ہوائیں ہیں
درخت جیسے کسی اور ہی جہاں کے ہیں

یقین اپنی جگہ انکشاف اپنی جگہ
طویل سب سے مگر سلسلے گماں کے ہیں

سنا ہے بہنے لگا پھر پہاڑ کا ناسور
کرشمے دشت میں کیا آتشِ رواں کے ہیں

انھیں سے میرا پتہ دشمنوں کو ملنا ہے
یہ سب چراغ یقیناً مرے زیاں کے ہیں

اجاڑ محل سرائیں ، شکستہ کنگورے
کمر خمیدہ، نشانات رفتگاں کے ہیں

☆☆☆

موسمِ ہجر تو دائم ہے نہ رخصت ہوگا
ایک ہی لمحے کو ہو وصل ، غنیمت ہوگا

میرا دل آخری تارے کی طرح ہے گویا
ڈوبنا اس کا نئے دن کی بشارت ہوگا

اب کے ہنگامہ نئی طرح ہوا ہے آغاز
شہر بھی اب کے نئے طور سے غارت ہوگا

شاخ سے ٹوٹ کے پتے نے یہ دل میں سوچا
کون اس طرح بھلا مائل ہجرت ہوگا

دل سے دنیا کا جو رشتہ ہے عجب رشتہ ہے
ہم جو ٹوٹے ہیں تو کب شہر سلامت ہوگا

بادبانوں سے ہوا لگ کے گلے روتی ہے
یہ سفینہ بھی کسی موج کی قسمت ہوگا

☆☆☆

جسے نہ میری اداسی کا کچھ خیال آیا
میں اس کے حسن پہ اک روز خاک ڈال آیا

یہ عشق خوب رہا باوجود ملنے کے
نہ درمیان کبھی لمحہ وصال آیا

اشارہ کرنے لگے ہیں بھنور کے ہاتھ ہمیں
خوشا کہ پھر دلِ دریا میں اشتعال آیا

مروتوں کے ثمر داغدار ہونے لگے
محبتوں کے شجر تجھ پہ کیا زوال آیا

حسین شکل کو دیکھا خداکویاد کیا
کسی گناہ کا دل میں کہاں خیال آیا

خدا بچائے تصوف گزیدہ لوگوں سے
کوئی جوشعر بھلا سن لیاتو حال آیا

☆☆☆

ابھی زمین کو سودا بہت سروں کا ہے
جماؤ دونوں محاذوں پہ لشکروں کا ہے

کسی خیال کسی خواب کے سوا کیا ہیں
وہ بستیاں کہ جہاں سلسلہ گھروں کا ہے

افق پہ جانے یہ کیا شے طلوع ہوتی ہے
سماں عجیب پر اسرار پیکروں کا ہے

یہ شہر چھوڑ کے جانا بھی معرکہ ہوگا
عجیب ربط عمارت سے پتھروں کا ہے

وہ ایک پھول جو بہتا ہے سطح دریا پر
اسے خبر ہے کہ کیا دکھ شناوروں کا ہے

اتر گیا ہے وہ دریا جو تھا چڑھاؤ پر
بس اب جماؤ کناروں پہ پتھروں کا ہے

☆☆☆

بستیوں میں آہ وزاری ہو رہی ہے شام سے
کچھ نہ کچھ نازل تو ہوگا چرخِ نیلی فام سے

دشتِ غربت میں ہوا ساری طنابیں لے اڑی
میرا خیمہ رہ سکا کب ایک پل آرام سے

اب تو آوازوں کے جمگھٹ ہیں مرے چاروں طرف
رابطہ پہلے تھا میرا بس سکوتِ شام سے

کارِ دنیا میں کہاں تک عاشقی کوئی کرے
وہ بھی اپنے کام سے ہے میں بھی اپنے کام سے

میری آنکھوں کو اسی منظر کی اب تک جستجو
میرا دل اب تک دھڑکتا ہے اسی کے نام سے

میں بھی سارے مسئلوں سے سرسری گزروں اگر
سوچتا ہوں عمر گزرے گی بڑے آرام سے

☆☆☆

سایہ گھروں پہ خوف کے منظر کا ہوگیا
عادی تمام شہر کسی ڈر کا ہوگیا

اب چاہتے ہیں اور نیا کوئی حادثہ
لکھا ہوا تمام، مقدر کا ہوگیا

بے بادباں جو ناؤ ہماری ہوئی تو کیا
کچھ اشتعال کم تو سمندر کا ہوگیا

یا اس کماں کے تیر ہی کچھ موم ہوگئے
یا پھر مرا وجود ہی پتھر کا ہوگیا

یا اب وہ کشتگانِ تمنا نہیں رہے
یا خاتمہ ہر ایک ستمگر کا ہوگیا

فکر معاش کھا گئی شعروادب کا شوق
جو گھر سے بھاگتا تھا وہی گھر کا ہوگیا

☆☆☆

آہوئے رم خوردہ پابندِ مکاں ہوتا ہوا
ایک منظر ہجر توں کا بیکراں ہوتا ہوا

ساعتیں آہستہ آہستہ جواں ہوتی ہوئی
مہر عالم تاب کوئی ضوفشاں ہوتا ہوا

وحشتِ شامِ الم گویا فنا ہوتی ہوئی
دل میں اک بے نام سا جذبہ جواں ہوتا ہوا

پھول سے بچوں کے لب پر بارشوں کی آیتیں
ابرِ رحمت کھیتیوں پر مہرباں ہوتا ہوا

درپئے آزار ہر موسم ہمارے ہی لیے
سب محاذوں پر ہمارا ہی زیاں ہوتا ہوا

حسرتِ اظہار سینے میں فنا ہوتی ہوئی
اک ہنر میری رگوں میں رائیگاں ہوتا ہوا

☆☆☆

جہاں تک نظر جائے برپا جزیروں میں ہیجان دیکھوں
سمندر کی موجوں کو اک روز اپنا نگہبان دیکھوں

سوالوں کے مشکل جوابوں کی جانب مرا ذہن پہنچے
کتابوں میں لکھی عبارت کا مفہوم آسان دیکھوں

مقدر میں میرے گھنے جنگلوں کی شبیں لکھ گئی ہیں
ہواؤں کی سرگوشیوں سے درختوں کو حیران دیکھوں

مکانوں کے آنگن اجالوں سے خالی میں ہر صبح پاؤں
چراغوں کی لمبی قطاریں سرِ شام بے جان دیکھوں

سفر کس لیے مجھ کو بخشا ہے ساکت سمندر کا یا رب
مری اصل خواہش تو یہ تھی کہ میں کوئی طوفان دیکھوں

کبھی تو کنول دوستوں کی نگاہوں سے خوشیوں کے جھانکیں
منافق زمانے کا چہرہ کبھی تو پریشان دیکھوں

☆☆☆

سارے خیمے خاک سے اٹ گئے ہوگئی رن میں شام
ایک کہانی ، ایک حقیقت ، صدیوں سے ہے عام

ہرسناٹا، ہر محرومی، میرے گھر کا رزق
سبز مناظر ، روشن لمحے، سب یاروں کے نام

اب کے سفر سے ہم لوٹے تو، یوں محسوس ہوا
ایک تھکن ہے جس کے بیاں سے قاصر لفظ تمام

قریۂ وحشت اب کے برس ہے کیوں اتناخاموش
کیاافتاد پڑی لوگوں پر سوگئے سب سرِ شام

اپنے یقیں کے خون سے اس کو ہم سیراب کریں
اک مدت سے سوکھ رہی ہے جو فصلِ اوہام

میں لفظوں کی کوزہ گری میں کب مشاق ہوا
کاش ودیعت ہوتا مجھ کو اورہی کوئی کام

☆☆☆

لمسِ گم گشتہ کی لذت ڈھونڈنا
قریہ قریہ ایک صورت ڈھونڈنا

اب نہ ان آنکھوں میں دریا دیکھنا
اب نہ اس چہرے پہ حیرت ڈھونڈنا

چشمۂ وصل اور کتنی دور ہے
اب تو لگتا ہے قیامت ڈھونڈنا

چاک پر مٹی کو رکھنا اور پھر
گردشوں میں کوئی صورت ڈھونڈنا

دیکھنا آنکھوں سے کچی کاوشیں
بیکراں شہروں میں حیرت ڈھونڈنا

ہوں ابھی تک جاں کے زنداں میں اسیر
بعد مردن میری حسرت ڈھونڈنا

☆☆☆

بغیر بات کے مصروفِ گفتگو ہونا
ہر ایک شام یہی جشنِ ہاو ہو ہونا

وہ کون ہے جو گھنی بارشوں سے خائف ہے
کسے عزیز ہے مٹی کا بے نمو ہونا

شمار ہونا بھی مشکل ہے کشتگاں میں یہاں
بہت کٹھن ہے قبیلے کی آبرو ہونا

جو دیدبانِ مظاہر ہیں ان کی سوچ الگ
مری نظر میں شفق، شام کا لہو ہونا

سوائے سر کی قطاروں کے اور کیا دیکھا
کسی محاذ پر فوجوں کا روبرو ہونا

ستارے ڈوبتے جاتے ہیں میری آنکھوں میں
تمام کارِ زیاں ہے ستارہ جو ہونا

☆☆☆

مہر و مہتاب صفت ناقہ سوار اچھے تھے
قافلے ان کے بصد گردوغبار اچھے تھے

ہاں کبھی خواب میں دیکھا تھا مری آنکھوں نے
ایک گھر جس کے سبھی نقش ونگار اچھے تھے

شام ہوتی تھی تو اک حشر بپا ہوتا تھا
ان جزیروں سے وہ پرشور دیار اچھے تھے

جب قریب آئے تو الجھن کا سبب بھی نکلے
جتنے چہرے تھے پس گردوغبار اچھے تھے

اب تو جیسے کسی آشوب کا بستی ہے شکار
لوگ پہلے کے سبھی کوہ وقار اچھے تھے

بس تری شکل سے خالی تھے دریچے سارے
ویسے پردیس کے منظر مرے یار اچھے تھے

☆☆☆

میں وحشت خوردہ آہو تھا دنیا نے مجھے زنجیر کیا
مری کھال کو اپنے کمروں کی آرائش سے تعبیر کیا

تھی چہروں کی پہچان مجھے اس جرم پہ ظالم لوگوں نے
مرے سر کو نیزے پر رکھا مرے دل میں ترازو تیر کیا

ہر دھوپ کو تیرے روپ کی چھب، ہر رنگ کو تیرا رنگ لب
ہر جھیل سمندر دریا کو تری آنکھوں سے تعبیر کیا

میں سیدھا سچا بندہ تھا مرا کام دکھوں کا دھندا تھا
اک روز اچانک موسم نے مجھ زندہ کو تصویر کیا

بستی کے ستم گر اچھے تھے ہاں ان کو دعائیں ہی دیجے
تھے ان کے ستم ہی وہ جادو جنھوں نے میر کو میر کیا

میں ایسا دانا کب کا تھا ، میں ایسا بندہ کس کا تھا
کچھ خواب دیئے اس مالک نے اور اس کو مری تقدیر کیا

☆☆☆

مرے شجر، تجھے موسم نیا بناتے رہیں
گلابِ صبر تری ٹہنیوں پہ آتے رہیں

جو دوستوں کی کمانوں کو تیر دیتا ہے
ہمیں یہ ظرف بھی بخشے کہ زخم کھاتے رہیں

بس اک چراغ ہے اپنی متاعِ بیش بہا
سو شام آتی رہے ہم اسے جلاتے رہیں

سحر کے رنگ دریچوں کو سیر کرتے جائیں
ہوا کے جھونکے کھلے آنگنوں میں آتے رہیں

کبھی کبھی کوئی سورج طلوع ہوتا رہے
ردائے ابر میں تارے بھی منھ چھپاتے رہیں

فصیلِ شہرِ انا رفتہ رفتہ گرتی جائے
یہ زلزلے مری جاں میں ہمیشہ آتے رہیں

☆☆☆

تجھ سے ہیں منسوب اجڑنے کے سب شکوے گلے
ترے سبب ہی وادیٔ جاں میں کیا کیا پھول کھلے

پھر کوئی حسرت آنسو کی کشتی میں بیٹھ گئی
پھر آنکھوں کے دریا جاگے پھر پتوار ہلے

جو پیراہن چاک ہوئے تھے تیرے ہجر میں سب
وصل کی رت کیا آئی جاناں اپنے آپ سلے

جس پیکر کا لمس میسر ہونا تھا دشوار
مجھ کو خوشی ہے ان ہونٹوں پر میرے لفظ کھلے

شاید تجھ سے ملنے کے دن آپہنچے نزدیک
پتوں سے آوازیں نکلیں اور اشجار ہلے

ہم کو اپنی بے رنگی پر ٹوٹ کے آیا پیار
اپنے اپنے رنگ سمیٹے سارے لوگ ملے

☆☆☆

اب ان آنکھوں سے ہر سو رقصِ وحشت دیکھتا ہوں میں
گھنی آبادیاں تاراج و غارت دیکھتا ہوں میں

بدن کے بحر میں کیا کیا بلائیں ہیں خدا جانے
کہ اپنی روح میں پیہم اذیت دیکھتا ہوں میں

لبادوں میں لپٹ کر سو گئیں ساری تمنائیں
بہت سنسان اب راہِ مسافت دیکھتا ہوں میں

ہوا کرتی ہیں دونوں کی ملاقاتیں کنارے پر
وہ اک دریا ہے جس میں اپنی صورت دیکھتا ہوں میں

پڑی ہے اب کے یہ افتاد کیسی میری آنکھوں پر
ہر اک تصویر میں کوئی نہایت دیکھتا ہوں میں

پرندوں کی اڑانوں سے غرض مجھ کو نہیں کوئی
مگر حسرت سے ان کو وقتِ رخصت دیکھتا ہوں میں

☆☆☆

اک رات ادھورے خوابوں کا انجام ہوئی
اک صبح عجب تعبیروں کا پیغام ہوئی

اک گھنے سفر کا چکر سب کے پیروں میں
اک حسرت ساری آنکھوں میں ناکام ہوئی

ہم ایک مسلسل ہجر میں ساری عمر رہے
اور وصل کی رت بس ایک خیال خام ہوئی

یہ بنجر خطہ صرف ہمارا ورثہ تھا
اس دل کی زمیں کب اور کسی کے نام ہوئی

پھر بستی پر کیا قہر اترنے والا ہے
کیوں رونے کی لوگوں میں عادت عام ہوئی

جس کو بھی عطا مالک نے کیا سو خوب کیا
کچھ ریگ رواں ہم پیاسوں کو انعام ہوئی

☆☆☆

کوئی فسانہ فتح وظفر کا، کوئی کہانی خوف وخطر کی
دیواریں کہتی رہتی ہیں اکثر مجھ سے میرے گھر کی

اب کے جان کی خیر نہیں ہے یا تو ہم یا شہر نہیں ہے
فوج فصیلوں تک آپہنچی کون لگائے بازی سر کی

کب بارش کی بوچھاروں سے چھت پر گھنگھرو سے بولیں گے
دیواروں پر کب ارزانی ہوگی سبزۂ خوش منظر کی

میں نے خواب میں دریا دیکھا جس کے کنارے سونے کے تھے
دریا کا پانی شیشہ تھا، شیشے میں کشتی پتھر کی

صبح سے شام ہوئی جاتی ہے عمر تمام ہوئی جاتی ہے
میں گیلی مٹی پر بیٹھا گنتا ہوں لہریں ساگر کی

دنیا سے سمجھوتہ کرنا سب کی مجبوری ہے لیکن
میں اکثر سنتا رہتاہوں آوازیں اپنے اندر کی

☆☆☆

وہ لوگ بھی کیسے لوگ ہیں جو کوئی بات فضول نہیں کرتے
یہ سارے قصے جھوٹے ہیں ہم ان کو قبول نہیں کرتے

تمہیں علم نہیں ہے یقین کرو، میں قریب سے جانتا ہوں ان کو
کچھ سودا گر ایسے بھی ہیں، جو قرض وصول نہیں کرتے

میں پتھر لے کر بیٹھا ہوں اور اس بستی کے دانا اب
کیوں کارِ شیشہ گری کر کے مجھ کو مشغول نہیں کرتے

کسی رن میں ساتھ حسین کا دیں کسی نہر سے پانی لے آئیں
اس شہر کے سارے نوحہ گر کوئی ایسی بھول نہیں کرتے

مرے نام کے حرف چمکتے ہیں لیکن یہ چمک ہے شعلوں کی
میں ایک ایسی سچائی ہوں جسے لوگ قبول نہیں کرتے

مجھے بھول کے نادم مت ہونا اے اگلی نسلوں کے بچو
ہاں اپنے بزرگوں کا ماتم کبھی تازہ پھول نہیں کرتے

☆☆☆

واقعہ سخت ہے اے یار مگر ہونا ہے
اب کے دریا کا دیاروں سے گزر ہونا ہے

ابھی ان نیزوں کی تشکیل میں ہے کتنی دیر
جن پر اک روز یقیناً مرا سر ہونا ہے

مرے بعد آئیں گے جو مجھ سے نہ اچھے ہوں گے
نسل در نسل یونہی شہر میں شر ہونا ہے

اپنے بازو ہی علم کرنا ہیں ہر مقتل میں
اپنا سینہ ہی بہر حال سپر ہونا ہے

کشتیاں مجھ سے ہی تیار کرے گی دنیا
کیا برا جو مری قسمت میں شجر ہونا ہے

بستیو تم کو خرابوں میں بدلنا ہوگا
جنگلو تم کو ابھی راہ گزر ہونا ہے

☆☆☆

باشندہ میں دشتِ زیاں کا سورج میرا ہم سایہ تھا
کس نے مجھ کو پیار کیا تھا کس نے آنچل لہرایا تھا

کتنے چراغ بجھے جاتے تھے، کتنے دریچے تھراتے تھے
شام پڑے جب کوئی جھونکا وادیٔ جاں میں در آیا تھا

خلق خدا حیران کھڑی تھی کیسی عجب افتاد پڑی تھی
وجد میں آکر جب موسم نے رقص اچانک دکھلایا تھا

جس سے دیپک جل اٹھے تھے جس سے راتیں جاگ پڑی تھیں
وہ تانیں کس نے چھیڑی تھیں وہ نغمہ کس نے گایا تھا

ایک گھنا گہرا جنگل تھا جس میں دو آنکھیں روشن تھیں
ہر رستہ مسدود پڑا تھا ہر جانب کہرا چھایا تھا

وہ چھتنار کے گن گاتا تھا ساتھ تھا جلتا سورج جس کے
اس نے دھوپ قصیدے لکھے جس کی قسمت میں سایہ تھا

☆☆☆

گاؤں کی آنکھ سے بستی کی نظر سے دیکھا
ایک ہی رنگ ہے دنیا کو جدھر سے دیکھا

ہم سے اے حسن ادا کب ترا حق ہو پایا
آنکھ بھر تجھ کو بزرگوں کے نہ ڈر سے دیکھا

اپنی باہوں کی طرح مجھ کو لگیں سب شاخیں
چاند الجھا ہوا جس رات شجر سے دیکھا

ہم کسی جنگ میں شامل نہ ہوئے بس ہم نے
ہر تماشے کو فقط راہ گزر سے دیکھا

ہر چمکتے ہوئے منظر سے رہے ہم ناراض
سارے چہروں کو سدا دیدۂ تر سے دیکھا

پھول سے بچوں کے شانوں پہ تھے بھاری بستے
ہم نے اسکول کو دشمن کی نظر سے دیکھا

☆☆☆

اتنے چہروں میں کوئی شکل تو پیاری نکلے
دیکھ کر جس کو دعا جاں سے ہماری نکلے

ریگِ مقتل کو سجایا ترے دیوانوں نے
وار سارے تری تلوار کے کاری نکلے

ہم تو اس ساعتِ سفاک کو روتے ہیں میاں
جب افق پار نہ رنگوں کی سواری نکلے

میں بھی دنیا کی طرح بچ کے گزرنا چاہوں
کوئی پتھر جو مری راہ کا بھاری نکلے

پھر کسی جنگ کے امکان نہ تازہ ہو جائیں
پھر غنیموں سے عزیزوں کی نہ یاری نکلے

مجھ کو دنیا میں کوئی اپنے برابر نہ ملا
جتنے منصب تھے سبھی پنج ہزاری نکلے

☆☆☆

کچھ سائے ماضی وحال کے ہیں کچھ منظر استقبال کے ہیں
کچھ راتیں ہجر پہ آمادہ کچھ لمحے شوق وصال کے ہیں

اس شہر زیاں سے باہر کے منظر ہوں مبارک یاروں کو
ہم خوگر دھوپ کی شدت کے ہم عادی گردِ ملال کے ہیں

اک نہر رواں ہے جذبوں کی ہم جس کے کنارے بیٹھے ہیں
اسباب ہے کچھ اندیشوں کا کچھ خیمے خواب وخیال کے ہیں

ہر قریے میں بس ایک دعا ہر بستی میں بس ایک صدا
سب قصے رزق کے قصے ہیں سب جھگڑے مال ومنال کے ہیں

یہ چکر جانے کب ٹوٹے یہ ڈور نہ جانے کب چھوٹے
ہم مجرم ہیں کچھ سانسوں کے، ہم قیدی ماہ وسال کے ہیں

☆☆☆

یقیں سے نکلے تو جیسے گماں کی زد میں ہیں
یہ کیا تضاد ہے ہم کس زیاں کی زد میں ہیں

بہت طویل ہیں گویا رتوں کی زنجیریں
نئے شگوفے سبھی رفتگاں کی زد میں ہیں

انہیں نصیب ہو اب ماورا کوئی ساعت
ازل سے پیڑ بہاروخزاں کی زدمیں ہیں

وہی سفر ہے سمندر بھی کشتیاں بھی وہی
ہوائیں اب کے مگر بادباں کی زد میں ہیں

سنو چراغ بجھادو تمام خیمے کے
مرے عزیز شب امتحاں کی زد میں ہیں

جو ہم پہ عرصۂ خوش منظری میں بیت گئیں
کہانیاں ہیں، مگر کب بیاں کی زد میں ہیں

☆☆☆

ساحل کی گیلی مٹی پر نقشِ کف پا کوئی نہیں ہے
ہم سے پہلے اس ساگر میں شاید اترا کوئی نہیں ہے

راتوں کے گہرے سناٹے اب شاموں سے چھاجاتے ہیں
بستی میں ہو کا عالم ہے باتیں کرتا کوئی نہیں ہے

شہ راہوں کے دونوں جانب اب بھی تناور پیڑ کھڑے ہیں
لیکن ان کے سایے میں اب چلنے والا کوئی نہیں ھے

سارے موسم اپنے اپنے پس منظر میں خوب ہیں لیکن
تجھ بن مجھ کو گرمی جاڑا اچھا لگتا کوئی نہیں ہے

اترے ہو تو تیرتے جاؤ جب تک جسم میں جاں باقی ہے
دکھ ساگر بے انت سدا کا اس کا کنارا کوئی نہیں ہے

میں نے کب دنیا دیکھی ہے مجھ کو کب پڑھنا آتا ہے
شاعر تو لاکھوں ہیں لیکن میرے جیسا کوئی نہیں ہے

☆☆☆

زیاں ہمیں بھی جگر داریوں سے کیا نہ ہوا
مگر یہ دل کہ ذرا بھی گریز پا نہ ہوا

زمیں پہ گر گئے اوراقِ گل سے قطرے سب
ہوا کا ہاتھ اچانک جو مشفقانہ ہوا

جو میری جاں میں کسی آبجو کی صورت تھا
مجھے گمان کبھی اس سراب کا نہ ہوا

کہاں کا پیڑ کہاں کے ثمر کہاں سایہ
طلسم خاک سے دانہ اگر رہا نہ ہوا

کنارِ آبِ رواں خیمہ تشنگی کا تھا
میں اس تضاد سے تا عمر آشنا نہ ہوا

وہ اتفاق سے اک روز مل گیا تھا کہیں
پھر اس کے بعد ان آنکھوں میں ڈوبنا نہ ہوا

☆☆☆

پھر آنکھ کو بس اک ہی چہرہ ، اور ایک ہی نام نظر آیا
اس عشق کے بعد بہت دن تک ہر غم آرام نظر آیا

دم اپنا نکلنے والا ہے یہ سورج ڈھلنے والا ہے
لو دن کی مسافت ختم ہوئی لو دشتِ شام نظر آیا

سب خلق گھروں میں سوتی تھی جب آوازوں نے دستک دی
سب شہر اداسی میں گم تھا، جب ماہِ تمام نظر آیا

کیوں میری سب تصویروں میں اسے رنگ اداس دکھائی دیئے
کیوں میری ساری باتوں میں اس کو ابہام نظر آیا

ہم شہر میں تھے اک مدت سے کل ہم کو اچانک شام ڈھلے
اک پیاری شکل دکھائی دی اک روشن بام نظر آیا

ہم شعر نہ کہتے بہتر تھا، ہم عشق نہ کرتے اچھا تھا
کیوں اپنے لیے دنیا میں ہمیں بس ایک ہی کام نظر آیا

☆☆☆

وہ کیسے پھول لوگ تھے جو دھول ہو گئے
زمین تیرے دام تو وصول ہو گئے

تھے ابتدا میں فلسفے تمام اختراع
قدامتوں کو چھو کے سب اصول ہو گئے

کسی کی بارگاہ میں تو داخلہ ملا
دعا کی طرح ایک دن قبول ہو گئے

ہمیں بھی لوگ درمیاں سے سن کے اٹھ گئے
کہ ہم بھی ایک داستاں کا طول ہو گئے

وگرنہ سارے لفظ خاک دھول تھے فقط
ترے لبوں تک آ گئے تو پھول ہو گئے

☆☆☆

آنکھوں نے بہت دن سے قیامت نہیں دیکھی
مدت ہوئی اچھی کوئی صورت نہیں دیکھی

چہروں کی طرح کس لیے مرجھائے ہوئے ہیں
پھولوں نے تو ہم جیسی مصیبت نہیں دیکھی

وہ شہر سے گزرا تھا فقط یاد ہے اتنا
پھر کوئی بھی دستار سلامت نہیں دیکھی

لوٹے جو مسافت سے تو میں اس سے یہ پوچھوں
بستی تو کوئی راہ میں غارت نہیں دیکھی

گرتے ہوئے پتوں کی صدائیں مرے دل سے
کہتی ہیں کہ تو نے کوئی ہجرت نہیں دیکھی

☆☆☆

دل شاخوں پر کھل اٹھیں گے پھول، مرادوں والے
جس دن ہم سے آن ملیں گے ساجن وعدوں والے

منظر منظر ڈھونڈ رہے ہیں ایک پھول ساچہرہ
جس سے کچھ دن وابستہ ہیں اچھی یادوں والے

دل پر یہ کیسی چادر ہے ایک گھنیرے دکھ کی
جیسے شہر پہ گھرے بادل ساون بھادوں والے

گلشن کے سب پتے گویا سبز علم کی صورت
ننھے ننھے پھول، سپاہی سرخ لبادوں والے

چل کر ان سے پوچھیں کیا ہے عشق پہ ان کی رائے
بستی میں کچھ لوگ تو ہوں گے نیک ارادوں والے

☆☆☆

میں جھوٹا حرف گواہی کا، میں کاذب لفظ کہانی کا
کیوں اب تک رشتہ باقی ہے مری آنکھوں سے حیرانی کا

میں ابرِ وصال میں بھیگ چکا میں ہجر کی آگ میں راکھ ہوا
دل دریا اب بھی جوش میں ہے عالم ہے وہی طغیانی کا

میں تنہائی کے ساحل پر، مصروفِ نظارہ ہوں کب سے
اک اپنا حسن نرالا ہے یاں ہر موجِ امکانی کا

مرے شہر دکھوں کی لہر میں ہیں، مرے لوگ زیاں کے بحر میں ہیں
کوئی اسم عطا کر خوشیوں کا کوئی رستہ دے آسانی کا

اے دشت کے مالک مجھ کو بھی، تو دست عطا سے ارزاں کر
کچھ جھونکے سرد ہواؤں کے، اک چشمہ میٹھے پانی کا

☆☆☆

دھوپ گہرے جنگلوں میں خیمہ زن ہوتی ہوئی
رفتہ رفتہ دورخوابوں کی تھکن ہوتی ہوئی

ہر طرف آغاز سرما کے پرندے بے شمار
جن کی آوازوں سے جھیلوں کوچبھن ہوتی ہوئی

دل سرائے میں بہت سے رنگ شرماتے ہوئے
آسمانوں پر ہویدا اک کرن ہوتی ہوئی

سبزۂ نورستہ دیواروں پہ اٹھلاتا ہوا
اک پرانی سی حویلی خوش بدن ہوتی ہوئی

اک خزاں آمادگی چاروں طرف اشجار میں
ایک بستی غرقِ صد رنج ومحن ہوتی ہوئی

☆☆☆

روشنی میں کس قدر دیوار و در اچھے لگے
شہر کے سارے مکاں سارے کھنڈر اچھے لگے

پہلے پہلے میں بھی تھا امن واماں کامعترف
اور پھر ایسا ہوانیزوں پہ سر اچھے لگے

جب تلک آزاد تھے ہر اک مسافت تھی وبال
جب پڑی زنجیر پیروں میں سفر اچھے لگے

دائرہ در دائرہ پانی کا رقص جاوداں
آنکھ کی پتلی کودریا کے بھنور اچھے لگے

کیسے کیسے مرحلے سر تیری خاطر سے کیے
کیسے کیسے لوگ تیرے نام پر اچھے لگے

☆☆☆

آسماں کے سر پہ بادل کی ردا کب آئے گی
کھیتیوں کو یاد بارش کی دعا کب آئے گی

ایک منظر خیمۂ مژگاں سے کب ہوگا طلوع
ایک ساعت سارے لمحوں سے جدا کب آئے گی

دیدۂ بیدار کو نیندوں سے کرنے ہم کنار
رات، کالی رات اے میرے خدا کب آئے گی

سات رنگوں کی کماں ہوگی افق پر کب نمود
مژدۂ خوش منظری لے کر ہوا کب آئے گی

رفتگاں کے نقشِ پا آخر کہاں تک جائیں گے
یہ سفر کب ختم ہوگا انتہا کب آئے گی

☆☆☆

چند امکاں تھے نگاہوں میں کدھر رخصت ہوئے
ساتھ ہی جن کے، مرے عیب وہنر رخصت ہوئے

حادثہ وہ تھا کہ آنکھوں سے بصارت چھن گئی
سانحہ یہ ہے کہ پیروں سے سفر رخصت ہوئے

آسمانوں سے پرندے لوٹنے کاوقت ہے
اس سے پیڑوں سے یہ طائر کدھر رخصت ہوئے

سیدھے سادے پانیوں کااب سفر درپیش ہے
معجزہ یارو کہ دریا سے بھنور رخصت ہوئے

چاہتے تھے دیکھنا کوہِ ندا کے پیچ وخم
روکنا چاہا ہمیں سب نے مگر رخصت ہوئے

☆☆☆

ہر حقیقت پر سرابوں کا گماں ہونے کو ہے
رفتہ رفتہ روشنی ساری دھواں ہونے کو ہے

میں بھی لوحِ وقت سے اک روز مٹ جانے کو ہوں
تیری مٹی بھی کسی دن رائیگاں ہونے کو ہے

پیشِ خیمہ ہے یہ سناٹا کسی طوفان کا
پھر اسی جانب سمندر مہرباں ہونے کو ہے

ساحلوں سے پھر جدا ہونے کی ساعت آگئی
بادباں کھلنے کو ہیں کشتی رواں ہونے کو ہے

شام کے طائر قطار اندر قطار آنے لگے
تیرگی میں پھر ہر اک منظر نہاں ہونے کو ہے

☆☆☆

پھر بجز دشت کہاں جاکے رہیں چاہنے والے تیرے
عرصۂ شہر میں عنقا ہیں زمانے سے حوالے تیرے

تو نے کوتاہی نہ کی خاک اڑانے میں ہماری تو کیا
ہم نے بھی باغ میں کلیوں میں بہت رنگ اچھالے تیرے

یہ الگ بات ہے کہ اس میں زیاں ان کا سراسر لیکن
نقدِ جاں نیزوں پہ رکھے ہوئے پھرتے ہیں جیالے تیرے

خاک زاسارے مناظر، مرابوسیدہ لبادہ جیسے
سبز خطے نظر آتے ہیں مجھے شال دوشالے تیرے

عکس مت جان کہ ہونے پہ بھی اصرار مجھے ہے جاناں
میں وہی شخص ہوں جس نے کبھی احکام نہ ٹالے تیرے

☆☆☆

سب کے پیروں میں وہی رزق کا چکر کیوں ہے
گریہ اس عہد کے لوگوں کا مقدر کیوں ہے

یہ جو منظر ہیں بڑے کیوں ہیں مری آنکھوں سے
یہ جو دنیا ہے مرے دل کے برابر کیوں ہے

آسمانوں پہ بہت دیر سے ٹھہری ہے شفق
سوچتا ہوں کہ ابھی تک یہی منظر کیوں ہے

میں بظاہر تو اجالوں میں بسر کرتا ہوں
اک پراسرار سیاہی مرے اندر کیوں ہے

کشتیاں ڈوب چکیں سر پھرے غرقاب ہوئے
مشتعل اب بھی اسی طرح سمندر کیوں ہے

☆☆☆

طے کرسکا مسافتِ دنیا نہ تو نہ میں
لیکن کسی نواح میں ٹھہرا نہ تو نہ میں

کیاسوچ کر سفر پہ روانہ ہوئے ہیں ہم
لوگوں سے راستوں سے شناسا نہ تو نہ میں

شامیں سجائیں ہم نے سدا انتظار کی
دامِ فریب صبح میں آیا نہ تو نہ میں

اپنی رفاقتوں میں کوئی کھوٹ تو نہیں
اب تک ہوا ہے شہر میں رسوا نہ تو نہ میں

کوہِ انا کی برف تھے دونوں جمے رہے
جذبوں کی تیز دھوپ سے پگھلا نہ تو نہ میں

☆☆☆

خدا اگر مجھے خوابوں سے ماورا رکھتا
تو اپنا نام میں زیرِ فلک خدارکھتا

دیارِ درد میں دریا دلی رواں کرتا
حصارِ گرد میں آسودگی روا رکھتا

کبھی قدم نہ پڑے میرے ان زمینوں پر
جہاں میں ایک نئے شہر کی بنا رکھتا

گراجو قطرۂ آخر تو یہ خیال آیا
لہو کچھ آنکھ میں کل کے لیے بچا رکھتا

مری نجات اسی میں تھی اب ہوا معلوم
نہ رکھتا قرب کسی سے نہ فاصلہ رکھتا

☆☆☆

ان کے پتوار ملاح اور بادباں یاد رکھ
ساحلوں پر جلائی ہوئی کشتیاں یاد رکھ

سبز وشاداب سارے مناظر فقط خواب میں
دشتِ جاں تجھ میں پلتے ہیں برگ خزاں یاد رکھ

اپنے پیروں کے نیچے زمیں کے گماں میں نہ رہ
تیرے سر پر مسلط ہیں سات آسماں یاد رکھ

تبصروں کی کسی پر ضرورت نہیں کچھ نہ کہہ
دوستوں کی خوشامد، متاع گراں یاد رکھ

تیری شہرت میں ان کا بھی کچھ ہاتھ ہے غور کر
دشمنوں سے بھی سرزد ہوئیں نیکیاں یاد رکھ

☆☆☆

عجب دن تھے کہ ان آنکھوں میں کوئی خواب رہتا تھا
کبھی حاصل ہمیں خس خانہ وبرفاب رہتا تھا

ابھرنا ڈوبنا اب کشتیوں کا ہم کہاں دیکھیں
وہ دریا کیا ہوا جس میں سدا گرداب رہتا تھا

وہ سورج سو گیا ہے برف زاروں میں کہیں جا کر
دھڑکتا رات دن جس سے دلِ بیتاب رہتا تھا

جسے پڑھتے تو یاد آتا تھا تیرا پھول سا چہرہ
ہماری سب کتابوں میں اک ایسا باب رہتا تھا

سہانے موسموں میں اس کی طغیانی قیامت تھی
جو دریا گرمیوں کی دھوپ میں پایاب رہتا تھا

☆☆☆

بجلیاں چمکیں بدن میں دشتِ جاں روشن ہوا
پھر کسی آہٹ سے اک سونا مکاں روشن ہوا

بارشِ گریہ رکی، بادل چھٹے، سورج ہنسا
دھوپ اتری زینہ زینہ آسماں روشن ہوا

جگنوؤں کے غول جب پامال کر ڈالے گئے
لوحِ دل پر ایک حرفِ جاوداں روشن ہوا

کھل اٹھے چہرے سبھی کے میرے عیبوں کا چراغ
ایک دن جب دوستوں کے درمیاں روشن ہوا

اس کو پانے کا یقیں اک روز آخر بجھ گیا
اس کو کھونے کا مرے اندر گماں روشن ہوا

☆☆☆

مجھ کو حیرانی ہوئی یہ رکھ رکھاؤ دیکھ کر
آندھیوں کی سمت پیڑوں کا جھکاؤ دیکھ کر

اس قدر سفاک ہیں دریا کی تلواریں کہ بس
دل لرزتا ہے زمینوں کا کٹاؤ دیکھ کر

قصہ خوانی کا جنوں اب تک لہو میں زندہ ہے
داستانیں یاد آتی ہیں الاؤ دیکھ کر

ساحلوں تک واپسی کے راستے مسدود تھے
اور بھنور کی آنکھ بھی روتی تھی ناؤ دیکھ کر

آسمانوں سے نوید آخری آنے کو ہے
ہم بھی اس کے منتظر ہیں تم بھی جاؤ دیکھ کر

☆☆☆

چند منصوبے مکمل ہو گئے
بوجھ سے شانے مگر شل ہو گئے

وہ بھی کیسے رونے والے لوگ تھے
سر سے پاؤں تک جو بادل ہو گئے

دھیرے دھیرے رونقیں جاتی رہیں
رفتہ رفتہ لوگ اوجھل ہو گئے

آسمانوں تک دعا جاتی نہیں
سارے دروازے مقفل ہو گئے

ایسے منظر تھے کہ آنکھیں جل بجھیں
ایسی بارش تھی کہ جل تھل ہو گئے

☆☆☆

کب تک آخر نیزوں پہ سر رکھے جائیں
قتل گہوں میں دوسرے منظر رکھے جائیں

اک دریا سے میری پیاس بجھے گی کیسے
میرے لیے دوچار سمندر رکھے جائیں

جس بستی میں رن پڑنا ہے رات گئے واں
نیند کے دشمن سارے لشکر رکھے جائیں

خوشبوئیں آزاد ہوئی ہے میں کیاجانوں
یہ سارے الزام ہوا پر رکھے جائیں

مصلحتوں کے طاقوں میں گنجائش کب ہے
سب ہنگامے گھر سے باہر رکھے جائیں

☆☆☆

کوئی سبیل نہیں خود سے گفتگو کے سوا
رفیق کون اس آشوب میں لہو کے سوا

یہ کہہ کے روز بلاتی ہے میری خاک مجھے
رکھا ہی کیا ہے زمانے میں رنگ وبو کے سوا

مری صدا کا نہیں ہے کوئی جواب تو پھر
میں کس کی نذر کروں نقدِ جاں عدو کے سوا

سماعتوں پہ مگر اعتبار مت کرنا
یہ دشت اور بھی کچھ بولتا ہے ہو کے سوا

زیاں رتوں سے اگر بچ رہا تو سوچوں گا
کچھ اور کیوں نہ کیا تیری آرزو کے سوا

☆☆☆

ایک منظر بے زیاں آنکھوں کے بس میں کیوں نہیں
لمحہ آئندہ میری دسترس میں کیوں نہیں

میں خلا کی وسعتوں میں ایک بے مایہ پرند
میرا مسکن باغ سے بہتر قفس میں کیوں نہیں

اک سفر پھیلا ہوا آنکھوں سے سانسوں کی طرف
سلسلہ جس کا مگر تارِ نفس میں کیوں نہیں

ہر طرف بے رنگ آوازوں کی فوجیں خیمہ زن
ایک بھی آہٹ ہماری دسترس میں کیوں نہیں

کیوں مرے پیروں کو رغبت آبلہ پائی سے ہے
لطف ہستی گلشن بے خار و خس میں کیوں نہیں

☆☆☆

دل ایک ہی رات کا دیا ہے
بازی میں جسے لگا دیا ہے

ہر بار لکھا سفر کا قصہ
ہر بار مگر مٹا دیا ہے

بجھنے جو لگا یقیں کا شعلہ
تب ہم نے گماں جلا دیا ہے

تھک ہار کے دشتِ مصلحت میں
اب خیمہ جاں لگا دیا ہے

اس بار ہماری تشنگی نے
صحراؤں کا دل ہلا دیا ہے

☆☆☆

چمک رہا ہے مرا سر بھی میں بھی دنیا بھی
اک آئینہ ہے سمندر بھی میں بھی دنیا بھی

کھلا کہ ایک ہی رشتے میں منسلک ہیں تمام
یہ میرا سر بھی یہ پتھر بھی میں بھی دنیا بھی

کسی گناہ کی پاداش میں ہیں سب زندہ
مرے شجر مرے منظر بھی میں بھی دنیا بھی

اتر رہے ہیں سبھی اک نشیب کی جانب
بلندیوں سے یہ پتھر بھی میں بھی دنیا بھی

خبر کسی کو کسی کی نہیں یہاں لیکن
ہوا کی زد پہ گل تر بھی میں بھی دنیا بھی

☆☆☆

کیا زمانہ تھا کہ سب عرصۂ جاں میرا تھا
خیمہ خواب سرجوئے رواں میرا تھا

منظر ہجر سے آگے بھی کئی منظر تھے
میں نہ سمجھا تو سراسر یہ زیاں میرا تھا

جس سے روشن ہوئی بستی وہ چمک کس کی تھی
دور تک دشت میں پھیلا جو دھواں میرا تھا

ہر سیہ رات میں روشن تھا مری جاں کا چراغ
ہر چمکتے ہوئے ذرے میں نشاں میرا تھا

برگِ آوارہ صفت دوش ہوا پر تھے یقیں
یار تھا کوئی تو دنیا میں گماں میرا تھا

☆☆☆

گھر کی کسک وجود میں گھر کر گئی تمام
منسوخ میرے اگلے سفر کر گئی تمام

ارض وسما فقط مری مٹھی میں آگئے
افواہ دوستوں پہ اثر کر گئی تمام

اس رہگزر میں ایک کرن میرے ساتھ تھی
پھر یوں ہوا کہ وہ بھی سفر کر گئی تمام

ہم سب گناہ گار قبیلے کے لوگ ہیں
پامال ہم کو موجِ سحر کر گئی تمام

موجِ ہوا بھی تیغِ ہلاکت سے کم نہ تھی
اشجار خواب زیروزبر کر گئی تمام

☆☆☆

پیارے پیارے موسم آئے رنگوں کے فواروں جیسے
پتے تیری آنکھوں جیسے پھول ترے رخساروں جیسے

پل دو پل میں پھٹ جائیں گے اور ٹکڑوں میں بٹ جائیں گے
تیرے میرے سپنے کیا ہیں بچوں کے غباروں جیسے

رات مجھے اک خواب آیا تھا میں دشمن فوجوں میں گھرا ہوں
آنکھ کھلی تو سوچا میں نے سب چہرے تھے یاروں جیسے

دنیا ایک سمندر جس میں ہم دونوں کا ربط ہے اتنا
جسم ترا کشتی کی صورت ہاتھ مرے پتواروں جیسے

وہ ہے اچھی صورت والا پیاری موزوں قامت والا
باتیں اس کی بادل جیسی ، لفظ اس کے بوچھاروں جیسے

☆☆☆

گھر سے نکلا تھا میں تو زیاں راہ پر اک سفر اپنی تقدیر کرتا ہوا
میری مٹی کا جادو مقابل مرے میرے قدموں کو زنجیر کرتا ہوا

دشتِ حالات میں وقت کے لشکری اپنی اپنی کمانیں سنبھالے ہوئے
میرے اسپ صبا کی پزیرائیاں ظالموں کا ہر اک تیر کرتا ہوا

اے زمین سخن میں تری خاک میں مل کے اک روز پھر خاک ہو جاؤنگا
اپنے دکھ کے مرقعے بناتا ہوا اپنی خوشیوں کو تصویر کرتا ہوا

ایک شب جاگتی آنکھوں گزرا تھا میں ایک شہر طلسمات کی راہ سے
منظروں کی کتابیں الٹتا ہوا کچھ ہواؤں پہ تحریر کرتا ہوا

نرم ہونٹوں کا بوسہ عجب چیز تھا مجھ سے پتھر میں جادو جگا کر گیا
میری سانسوں میں خوشبو سی بھرتا ہوا میرے جذبوں کو تطہیر کرتا ہوا

☆☆☆

ایک ادھورے خواب کی خاطر چھوڑ دیا گھر بار
یاتوہم پاگل ہیں یارو یا پھر ہم ہوشیار

جنگل جنگل گھوم رہا ہے موسم کاقزاق
میری طرح حیران کھڑے ہیں سب کے سب اشجار

جیسے شاخ اورپھول کا رشتہ جیسے سخت چٹان
اتنا نازک اتنا مشکل جذبوں کااظہار

سارے نشے آتی جاتی لہروں کی مانند
لمس کی لذت آخر آخر جسموں میں بیدار

آنکھوں کی سرحد سے آگے ایک طلسمی شہر
لوگ جہاں سب پھولوں جیسے گھر سارے گلزار

☆☆☆

مجھے بھی وحشتِ صحرا پکار میں بھی ہوں
ترے وصال کاامیدوار میں بھی ہوں

پرند کیوں مری شاخوں سے خوف کھاتے ہیں
کہ اک درخت ہوں اورسایہ دار میں بھی ہوں

مجھے بھی حکم ملے جان سے گزرنے کا
میں انتظار میں ہوں شہسوار میں بھی ہوں

بہت سے نیزے یہاں خود مری تلاش میں ہیں
یہ دشت جس میں برائے شکار میں بھی ہوں

ہوا چلے تو لرزتی ہے میری لو کتنی
میں اک چراغ ہوں اور بے قرار میں بھی ہوں

☆☆☆

ترا وصال ہے بہتر کہ تیرا کھوجانا
نہ جاگنا ہی میسر مجھے نہ سوجانا

یہ سب فریب ہے میں کیا ہوں میری چاہت کیا
جوہوسکے تو مری طرح تو بھی ہوجانا

ہنسی میں زخم چھپانے کافن بھی زندہ ہے
اسی خیال سے سیکھا نہ میں نے روجانا

اداس شہر میں زندہ دلی کی قیمت کیا
بجا ہے میری ہنسی کاغبار ہوجانا

حسین تجھ سے زیادہ بھی ہیں زمانے میں
برا ہے آنکھ کاپابند رنگ ہوجانا

☆☆☆

ایک تسلسل ایک تواتر ایک نفی اثبات کے بعد
صبح وہی سورج پھر ہوگا لمبی کالی رات کے بعد

باہر کا احوال نہ پوچھو جان کے ہم بھی پچھتائے
دنیا کے بارے میں سوچو لیکن اپنی ذات کے بعد

ہر رستے پر دیکھ رہا ہوں چلتے پھرتے پھول بہت
شاید کوئی قحط پڑے گا فصلوں کی بہتات کے بعد

سبزہ و گل سب جاگ پڑیں گے گہری نیندیں ٹوٹیں گی
سارے منظر زندہ ہوں گے ایک گھنی برسات کے بعد

ہم سے اپنی ذات کا خاکہ کب لفظوں میں قید ہوا
کہنا باقی رہ جاتا ہے کیا کیا کچھ ابیات کے بعد

☆☆☆

کہتے ہیں لوگ شہر تو یہ بھی خدا کا ہے
منظر یہاں تمام مگر کربلا کا ہے

آتے ہیں برگ و بار درختوں کے جسم پر
تم بھی اٹھاؤ ہاتھ کہ موسم دعا کا ہے

غیروں کو کیا پڑی ہے کہ رسوا کریں مجھے
ان سازشوں میں ہاتھ کسی آشنا کا ہے

اب ہم وصالِ یار سے بیزار ہیں بہت
دل کا جھکاؤ ہجر کی جانب بلا کا ہے

یہ کیا کہا کہ اہلِ جنوں اب نہیں رہے
اسعد جو تیرے شہر میں بندہ خدا کا ہے

☆☆☆

ہر ایک الزام کے لیے نام صرف بے مہر آسماں کا
زمینِ سفاک سے بھی جوڑو کبھی تو رشتہ کسی زیاں کا

نہ اب کے بادِ بہار نے وحشیوں میں کوئی جنوں جگایا
ملول کرتا ہوا نہ آیا کہیں سے جھونکا کوئی خزاں کا

تمام سحر کہانیوں میں سیاہ کاذب حروف شامل
یقین کے سارے طاقچوں میں چراغ جلتا ہوا گماں کا

میں آسمانوں کی وسعتوں سے زمیں پہ گرتا ہوا پرندہ
میں ایک ٹکڑا فضول سا ہوں کسی کہانی کے درمیاں کا

☆☆☆

کوئی شخص کب سے بسا ہوا مرے شہر جاں میں عجیب ہے
جو خزاں کی راہ میں یار ہے جو گلاب رت میں رقیب ہے

میں چراغ بن کے جلوں تو کیا سر شاخ سبز کھلوں تو کیا
یہ ہوا جو میرے جلو میں ہے یہ زیاں جو میرا نصیب ہے

نہ کوئی کرن مری راہ میں نہ وہ چاند چہرہ نگاہ میں
مرا دشت کتنا طویل ہے مری رات کتنی مہیب ہے

وہ قریب تھا تو نظر میں تھا کئی آسمانوں کا فاصلہ
وہ جو مجھ سے دور چلا گیا تو کھلا کہ کتنا قریب ہے

مری شاعری مری داستاں ہے بنائے رنجش دوستاں
مرا فن نہیں مرا چارہ گر مرے واسطے یہ صلیب ہے

☆☆☆

میں اپنے منظر سے کٹ گیا تو کہاں مری شاعری رہے گی
چراغ کی لو ہوا کے ہاتھوں سے عمر بھر کھیلتی رہے گی

مرے شجر کو بتادیا ہے اداس موسم کے محرموں نے
دکھوں کے گل عارضی نہیں ہیں زیاں کی ڈالی ہری رہے گی

بھنور یونہی سطحِ جستجو کے طواف میں منہمک رہیں گے
رواں اسی طرح ساحلوں کے فراق میں یہ ندی رہے گی

یہی ازل اور ابد کا قصہ یہی ہے اہلِ جنوں کا حصہ
رہے گا دریا کا شور دل میں زبان پر تشنگی رہے گی

ملن کے پل تو گریز پا ہیں وصال کی رت ہے آنی جانی
سو ہجر کو ہی عزیز رکھو یہ دوستی دائمی رہے گی

☆☆☆

ایک منظر افق زادلمحوں کا بے دست وپا میری آنکھوں میں ہے
جس پہ چلنے کی پیروں کو جرأت نہیں راستہ میری آنکھوں میں ہے

مجھ سے پوچھو گزشتہ زمانوں میں جو کچھ مسافر پہ گزرا ہے سب
ہر سفر کی صعوبت کا اک بیکراں سلسلہ میری آنکھوں میں ہے

میں نے بجھتی ہوئی شام کے ساتھ جلتے ہوئے دیپ دیکھے بہت
کس لیے عالم آب وگل کا عجب رابطہ میری آنکھوں میں ہے

واقعی گرم لمحوں سے ناآشنا تادم مرگِ انبوہ میں
دوستو دیکھ لو آج تک ساعتِ یخ زدہ میری آنکھوں میں ہے

ایک خورشید وہ جو ترے آسمانوں میں اپنی چمک پر مگن
ایک سورج کہ ہر شام نوحہ کناں ڈوبتا میری آنکھوں میں ہے

کس لیے میرا رشتہ ہے قبروں سے قائم ابھی تک بصد حوصلہ
سوچتا ہوں کہ کیوں رفتگاں کا ہر اک نقشِ پا میری آنکھوں میں ہے

مبتلا ہوں مسلسل سفر کی گھنی کیفیت میں کراں تا کراں
دشتِ حیرت کی اب تک جنوں رنگ وخواب آشنا میری آنکھوں میں ہے

تم کو توفیق ہو تو نگاہیں ملاؤ یقیناً نظر آئے گا کچھ نہ کچھ
زنگ خوردہ سہی دشمنو، پھر بھی ایک آئینہ میری آنکھوں میں ہے

☆☆☆

بند تھے میرے چشم ولب اور میں سوچتا رہا
شہر تھا غرق موجِ شب اور میں سوچتا رہا

صبح فراق یار سے شام وصال یار تک
بیچ کی منزلیں عجب اور میں سوچتا رہا

میرے سوا کسے ہوا اپنے زیاں کا حوصلہ
گنگ تھے حرف وصوت سب اور میں سوچتا رہا

موج سخن کہ مجھ تلک آکے صدا پلٹ گئی
سیکڑوں شاعری کے ڈھب اور میں سوچتا رہا

کس نے دیا ہے کیا مجھے جس کا حساب رکھ سکوں
لطف و عنایت و غضب اور میں سوچتا رہا

میرے سخن کا ولولہ میرے سفر کا سلسلہ
خام ہیں یہ خیال سب اور میں سوچتا رہا

رات عجیب حال میں غرق تھا اس سوال میں
کس کی رہی مجھے طلب اور میں سوچتا رہا

پھول کھلا تھا کس طرح، زخم سلا تھا کس طرح
کون تھا چارہ سازِ شب اور میں سوچتا رہا

☆☆☆

ہوا چراغ کی لو کو ڈراتی رہتی ہے
خزاں کے زخم ہراک شاخ کھاتی رہتی ہے

خموشیوں میں بھی گویائی کے خزانے ہیں
ہر اک سکوت سے آواز آتی رہتی ہے

ورق کی طرح الٹتے ہیں پے بہ پے منظر
زمین کوئی کہانی سناتی رہتی ہے

فقط سحر ہی رجز خوانیاں نہیں کرتی
سیاہ رات بھی کچھ گنگناتی رہتی ہے

جو بے سپر ہیں وہ اشجار گرتے رہتے ہیں
ندی نحیف کناروں کو کھاتی رہتی ہے

بجھی ہے آنکھ تو منظر بھی بجھ گئے ہوں گے
دلوں کے ساتھ ہی دنیا بھی جاتی رہتی ہے

تلاش میں کوئی شہزادہ اب نہیں جاتا
کہانیوں کی پری تو بلاتی رہتی ہے

جو العطش کی صداؤں پہ کان دھرتا ہے
سناں، اسی کے لہو میں نہاتی رہتی ہے

کبھی سکون نہیں قریۂ تمنا میں
بلا کوئی نہ کوئی سر اٹھاتی رہتی ہے

☆☆☆

راستہ کوئی سفر کوئی مسافت کوئی
پھر خرابی کی عطا ہو مجھے صورت کوئی

سارے دریا ہیں یہاں موج میں اپنی اپنی
مرے صحرا کو نہیں ان سے شکایت کوئی

جم گئی دھول ملاقات کے آئینوں پر
مجھ کو اس کی نہ اسے میری ضرورت کوئی

میں نے دنیا کو سدا دل کے برابر سمجھا
کام آئی نہ بزرگوں کی نصیحت کوئی

سرمئی شام کے ہمراہ پرندوں کی قطار
دیکھنے والوں کی آنکھوں کو بشارت کوئی

بجھتی آنکھوں کو کسی نور کے دریا کی تلاش
ٹوٹتی سانس کو زنجیر، ضرورت کوئی

تو نے ہر نخل میں کچھ ذوق نمو رکھا ہے
اے خدا میرے پنپنے کی علامت کوئی

☆☆☆

سہانی دھوپ نیلے آسماں سے کچھ نہیں ہوتا
کہ اب پیدا ہمارے خاکداں سے کچھ نہیں ہوتا

مرا صحرا وہ صحرا ہے سمندر جس کو ناکافی
کسی ندی کسی جوئے رواں سے کچھ نہیں ہوتا

دریچے بند ہیں مخلوق خواب جاوداں میں ہے
اب ان گلیوں میں آوازِ سگاں سے کچھ نہیں ہوتا

ہمیشہ دھوپ کوان راستوں میں ساتھ رہنا ہے
سفر ایسا ہے جس میں سائباں سے کچھ نہیں ہوتا

جو ہونا ہے وہ اپنے پاؤں کی لغزش سے ہونا ہے
جھٹک دو ذہن احساسِ زیاں سے کچھ نہیں ہوتا

چراغوں کی لووں میں ایک تصویروں کا جنگل ہے
بجھادو ان کو یادِ رفتگاں سے کچھ نہیں ہوتا

عجب اک شور صحن جاں میں ہے پتوں کے گرنے کا
کہ اب افسوس باہر کی خزاں سے کچھ نہیں ہوتا

☆☆☆

اب احساس زیاں ہونے لگا ہے
دلِ زندہ دھواں ہونے لگا ہے

پہاڑوں پر نکل آیا ہے سورج
کوئی چشمہ رواں ہونے لگا ہے

کسی جانب مسلسل دیکھنے سے
اداسی کا گماں ہونے لگا ہے

عدو خیموں میں خوابیدہ پڑے ہیں
محاذوں پر دھواں ہونے لگا ہے

در و دیوار بدلے جا رہے ہیں
پرانا گھر جواں ہونے لگا ہے

مری تنہائی کے سادہ افق پر
ستارہ ضوفشاں ہونے لگا ہے

دسمبر آ گیا اب اور نیلا
ہمارا آسماں ہونے لگا ہے

☆☆☆

کہانیوں کے پھول شاخ شاخ پر کھلے رہیں
شجر شجر عظیم داستاں کے سلسلے رہیں

کوئی خبر کہ راستہ بہار کا بدل گیا
کوئی دعا کہ وحشیوں کے چاک سب سلے رہیں

کوئی تو اس سفر میں میری حیرتوں کا ساتھ دے
یہ کیا کہ عمر بھر مجھے ہر ایک سے گلے رہیں

کوئی چراغ جس سے ظلمتوں کی جاں فگار ہو
کوئی سبیل جس سے راستوں کے دل ہلے رہیں

زمیں پہ پھول صورتوں کو اے خدا دوام دے
دھنک کے رنگ آسماں پہ بس یونہی کھلے رہیں

کبھی کبھی رگِ گلو میں خنجروں کی کاٹ ہو
کبھی کبھی وصال رت میں ہجر کے گلے رہیں

یہ کاروبارِ دہر کتنا پرسکوں دکھائی دے
زمیں پہ چار سو اگر جنوں کے سلسلے رہیں

☆☆☆

شام سے خوں مری آنکھوں میں اتر آئے گا
آئے گا وہ تو یہ ہنگام سحر آئے گا

راستے گرد سے اٹ جائیں گے رفتہ رفتہ
رفتہ رفتہ جومسافر ہے وہ گھر آئے گا

اس مسافت میں ضرور آئے گی اک درد کی راہ
درد کی راہ میں درماں کاشجر آئے گا

وہ تو جھونکا ہے اسے راہ سے نسبت کوئی
کوئی دیوار نہ روکے گی جدھر آئے گا

ان دنوں جاں سے گزرجانے کی فرصت کس کو
کس کودرپیش محبت کا سفر آئے گا

شاہراہوں پہ ہجوم قدوقامت ہے کیا
کیا کوئی چاند سا چہرہ بھی نظر آئے گا

اس کے ہونٹوں سے برسنے لگے فریاد کے پھول
پھول کہتے ہیں وہ شیشے میں اتر آئے گا

☆☆☆

گھر دیکھتے نہ گھر کے در و بام دیکھتے
بس تیرا خواب ہی سحر و شام دیکھتے

لوحِ خیال پر تری تصویر کھینچتے
دل کے ورق پہ لکھ کے ترا نام دیکھتے

یہ شاخچے پہ پھول یہ کھلتے ہوئے چمن
حیرت سے تتلیوں کو تہِ دام دیکھتے

سورج کے ڈوبنے کا عجب دیدنی تھا رنگ
دریا کی تمکنت کو سرِ شام دیکھتے

جھوٹی خبر محاذ سے لاتے کوئی تو ہم
مچتا ہے کیسے شہر میں کہرام دیکھتے

وہ ابتدائے کارِ جنوں ہی میں مر گئے
جن کو یہ فکر تھی مرا انجام دیکھتے

بہتر تھا چند لوگ نہ کرتے جو شاعری
اچھا بھلا سا اور کوئی کام دیکھتے

☆☆☆

یہی نہیں کہ مرا گھر بدلتا جاتا ہے
مزاج شہر بھی یکسر بدلتا جاتا ہے

رتیں قدیم تواتر سے آتی جاتی ہیں
درخت پتوں کے زیور بدلتا جاتا ہے

افق پہ کیوں نہیں رکتی کوئی کرن پل بھر
یہ کون تیزی سے منظر بدلتا جاتا ہے

غبارِ وقت میں سب رنگ گھلتے جاتے ہیں
زمانہ کتنے ہی تیور بدلتا جاتا ہے

چھڑی ہوئی ہے ازل سے دل ونگاہ میں جنگ
محاذ ایک ہے لشکر بدلتا جاتا ہے

یہ کس کا ہاتھ ہے جو بے چراغ راتوں میں
فصیلِ شہر کے پتھر بدلتا جاتا ہے

پرند پیڑ سے پرواز کرتے جاتے ہیں
کہ بستیوں کا مقدر بدلتا جاتا ہے

☆☆☆

بدی کے نور سے روشن سماعتیں ساری
خمیدہ سر ہیں ازل سے صداقتیں ساری

سپاہِ مکروریا ساحلوں پہ خیمہ زن
غریق دجلہ خوں ہیں شجاعتیں ساری

دھواں دھواں ہیں صحیفوں کے ماننے والے
گماں گزیدہ ہوئی ہیں عبارتیں ساری

بیاں ہوں شعر میں اب واقعات جاں کیسے
مثالِ حرف غلط ہیں علامتیں ساری

سفر تمام ٹھہرنے کااک وسیلہ ہیں
بجز گماں نہیں کچھ بھی مسافتیں ساری

نہ اب وہ نجد نہ مجنوں نہ کوئی لیلیٰ ہے
تہہ غبارِ زمانہ میں وحشتیں ساری

یہ سحر کیا ہے کہ بدمست بادلوں کے بغیر
ٹپک رہی ہیں گھنی دھوپ میں چھتیں ساری

دیارِ درد میں دریادلی ضرورت ہے
وگرنہ ہم نہ اٹھاتے یہ زحمتیں ساری

☆☆☆

ذرا سے دل میں بسائی ہے میں نے حیرت کیا
مگر یہ سوچتا ہوں بن سکے گی جنت کیا

وصال و ہجر سے آگے بھی منزلیں ہیں بہت
مرے سفر کو کسی انتہا سے نسبت کیا

مرے یہ خواب سلامت رہے تو اچھا ہے
حقیقتوں سے ملاقات کی ضرورت کیا

رگوں میں دوڑ رہی ہے ترے وصال کی آگ
مگر یہ آگ جو ٹھنڈی ہوئی تو لذت کیا

مرے رفیق مجھے تجربوں کی ہمت دے
جو منفرد نہ ہو سب سے تو میری چاہت کیا

مرے وجود کی تکمیل ہو گئی تجھ سے
بتا کہ میں بھی کبھی تھا تری ضرورت کیا

یہ طاقِ ہجر، یہ بجھتا ہوا چراغِ وصال
اگر فریب نظر ہیں تو ہے حقیقت کیا

☆☆☆

پرندے، پھول، تتلیاں

چہار سو محاذ سرد جنگ کے کھلے ہوئے
منافقت کی تیز روندی میں سب صداقتیں
مثالِ خار و خس رواں
سکون، عافیت، مسرتیں، بس اک گماں
چہار سو زوالِ حرف و صوت کا سماں
مقدروں کو رو رہی ہیں بستیاں
سبھی کے روز و شب گزر رہے ہیں ایسے منظروں کے درمیاں
مگر کبھی کبھی میں دیکھتا ہوں
چہچہاتے خوش نوا پرندے، پھول تتلیاں
اور ہنستے مسکراتے بچے، جن کی آنکھوں میں ہیں خواب کے جہاں
میں جانتا ہوں ان کے خواب
ایک دن مری طرح سے ہوں گے رائیگاں
مگر میں چاہتا ہوں کچھ دنوں یہ خواب دیکھتے رہیں
پھر اس کے بعد عمر بھر عذاب دیکھتے رہیں۔

☆☆☆

زیاں رتوں کی ایک نظم

میں شاعری میں اعترافِ ذات چاہتا تو تھا مگر
مرے چہار سو جو لوگ ہیں
سماعتوں کو ان کی حرفِ نرم سے لگاؤ ہے
اور میری داستاں کے سارے لفظ تلخ ہیں
زیاں رتوں میں دکھ دیار سے جو میں نے جمع کیں
خواہشوں کی مردہ تتلیوں کے پر ہی میرے پاس ہیں
مجھے بھی زعم تھا کبھی
کہ میں جہاں کو اپنے زاویے سے دیکھنے کا اہل ہوں
اور میرے سوچنے کا اپنا ایک ڈھنگ ہے
مگر کھلا کہ یہ جہان اہل دل پہ تنگ ہے
بس اک فریب ہے، جو روشنی جو رنگ ہے
مرا زمانہ سرکشی کا عہد ہی نہیں
مزاج میرے نیک دوستوں کا سرد جنگ ہے
اور مجھ سا بے قرار آدمی
ہوا کے رخ پہ اک کٹی پتنگ ہے
سو اب میں اہل شہر کی پسند کے حروف جمع کر رہا ہوں
شاعری کے واسطے
کیوں کہ صرف داد ہی نہیں
میں روٹیاں بھی چاہتا ہوں زندگی کے واسطے

☆☆☆

اجنبی منظروں کے درمیاں

ساربان
اب کے تو نے یہ کس دشت میں
ناقہ ناتواں لا کے ٹھہرا دیا
چہار جانب جہاں ایک اسرار ہے
یہ کیسی خموشی ہے......جس میں
کوئی بولتا لگ رہا ہے
یہ کیسی ہوائیں ہیں
ان میں عجب باس ہے
یہ کیسے مناظر ہیں
جن کو مری آنکھ سے واسطہ کوئی
پہلے نہ تھا
یہ ندی: کہ جیسے کوئی اژدہا سا پڑا ہے
یہ اشجار: گویا کہ بدمست ہاتھی کھڑا ہے
مکڑیوں، بچھوؤں کی طرح لگتے ہیں
فرش پر جتنے پتے پڑے ہیں
یہاں میرا خیمہ نہ استادہ کر
پشت ناقہ سے اسباب مت کھولنا
یہ زمیں مقتل دوستاں لگ رہی ہے
یہ ہریالی مجھ کو خزاں لگ رہی ہے

☆☆☆

سجدہ خاک کا موسم

شاخ کو چھوڑ چلا برگِ خزاں آمادہ
جانے کس خاک کو جاتا ہے، ہوا کے رتھ پر
سب کو مٹی کے بلاوے پہ چلے جانا ہے
جتنی مخلوق ہے اس عالمِ آب و گل میں
خاکدانوں کی ضیافت کے لیے زندہ ہے
کون سی روشنی تابندہ ہے
سب چراغوں کی لگامیں ہیں
ہوا کے ہاتھوں

خاک ہی سب سے بڑا منبع ہے
خاک ہی خاک ہے ہر جسم کے شریانوں میں
خاک ہی ذہن میں ہے خاک ہی ہے کانوں میں
دل، زباں، آنکھ سبھی خاک کے ہیں

سجدۂ خاک کا موسم آیا
یعنی ادراک کا موسم آیا

☆☆☆

ایک نظم

بڑا عجیب وقت ہے
کہ ہجر بھی نہیں، وصال بھی نہیں
سگانِ قریہ روتے روتے چپ گئے
مگر
طویل رات کو زوال بھی نہیں
پرند، گھونسلوں میں گریہ کر رہے ہیں
اور
ہوا میں اعتدال بھی نہیں
کشتیوں سے بادباں کب کے ہو چکے جدا
سمندروں میں اشتعال بھی نہیں

....

پانیوں میں زندگی اتار دیں؟
نہیں............نہیں!!
ابھی زمین اتنی پائمال بھی نہیں

☆☆☆

دعا

بے حسی اوڑھے ہوئے شہر کے لوگوں پر ہو
خورشید فلک تاب کا قہر
تا کہ یہ برف
جو ذہنوں پر دریچوں پہ مکانوں پر جمی ہے
پگھلے
بادِ صرصر کا کرم ہو تھوڑا
تا کہ یہ صاف بدن صاف لباس
مرتبہ خاک کا پہچان سکیں
اور ہو ابرِ سیہ کی یورش
جس سے اس بستی کے خوش رنگ مکاں
کچے رنگوں کے لبادے سے نکل کر اپنی
اصل صورت میں ہویدا ہو جائیں۔

☆☆☆

گلہ

طائروں کے ذرا سے پروں میں
اڑانوں کے کیا حوصلے بھر دیئے ہیں
سمندر کو موجیں، ندی کو بہاؤ
ہواؤں کو تیور دیئے ہیں
درختوں کو پتوں کے زیور دیئے ہیں

غرض سب کو خالق نے
اپنی عطا سے نوازا ہے
لیکن
ہمیں دیکھنے والی آنکھیں
تڑپتے ہوئے دل کی دولت
سوچ کے بوجھ سے ٹوٹتے سر دیئے ہیں
☆☆☆

حیرتوں کے سلسلے

اک ناؤ اک بھنور کی طرف ہے رواں دواں
تیزی سے بنتے ٹوٹتے جاتے ہیں دائرے
اک زہر سارگوں میں اترتا ہے رائیگاں
آنکھوں کی پتلیوں میں ہیں عالم بسے ہوئے
کانوں میں گونجتی ہیں ہواؤں کی سیٹیاں

یہ اقتباس جیسے کسی داستاں کے ہیں
منظر وہی تمام پرانے جہاں کے ہیں

☆☆☆

بدن دریدہ خواہشیں

رگوں کی آگ
آبشار کی تلاش میں
یہاں وہاں، رواں دواں
بدن دریدہ خواہشوں کا ایک سیل
جو فصیل جسم و جاں تک آ گیا ہے
اس پہ بند باندھنا محال ہے
کسی نشیب کی خبر ملے تو اس کا رخ
ادھر کو موڑنے کی کوشش کروں
وگرنہ
یہ بلندیوں کو چاٹ جائے گا
مجھے زوال کی تہیں دکھائے گا

☆☆☆

روداد

اور پھر یوں ہوا
اک شجر نے بلندی کے سب راز
اپنی جڑوں میں اتارے
چارسو بے نیازی سے دیکھا
تیز آندھی کے منھ پر
سپر پھینک دی
اور پھر
اپنی مٹی کو سجدہ کیا
تیز آندھی
سپر کی کڑی چوٹ سے
تلملائی مگر
اس نے اپنی کلہ
اس بہادر رزمیں زاد لمبے شجر کے لیے
سر سے ہاتھوں میں لی
اس کے لاشے کو تعظیم دی

☆☆☆

ایک اداس دعا

میں نے اک من موہنی صورت
دل میں بسائی
صورت، جس پر گہری اداسی کے سائے ہیں
وہ سائے کتنے اچھے ہیں وہ سائے کتنے پیارے ہیں
یعنی اس کی ساری دلکشی، سارا جادو
صرف ان سایوں سے روشن ہے
سوچتا ہوں میں
کیا یہ اداسی، جو مجھ کو اچھی لگتی ہے
اس لڑکی کی مجبوری ہے
یا اس کے چہرے کی بناوٹ کا حصہ ہے
یا پھر ایک الگ حصہ ہے

....

جو کچھ بھی ہو
میری تو بس ایک دعا ہے
یہ سائے اس کے چہرے پر
اور بھی گہرے ہوتے جائیں
میری شاموں سے بھی گہرے
میری سانسوں سے بھی گہرے
جو مجھ کو اچھے لگتے ہیں

☆☆☆

جب لمس کے سورج بجھ جائیں

جب راتیں بوجھل ہو جائیں
جب لوگ گھروں میں سو جائیں
جب برف رگوں میں جم جائے
جب قہر بدن پر ٹوٹ پڑے
جب لمس کے سورج بجھ جائیں
جب ساعتِ آخر آ پہنچے!!
تو کس کو پکاریں کس سے کہیں
کیا لذت تھی ان راتوں میں
کیا نشہ گھر کی باتوں میں
کیا رگ رگ میں لہراتا تھا
کیا تتلی جیسے منظر تھے
سانسوں میں سات سمندر تھے
اب حدِ نظر تک صحرا ہے
اک قافلہ جس میں ٹھہرا ہے

☆☆☆

مشورہ

جن دنوں بادِ صرصر کے جھونکوں سے
تتلی کے پر ٹوٹ جائیں
فقط اپنے بازو کی جانب نگاہیں رکھو
جن دنوں آسمانوں پہ سورج کا گولہ غضب ناک ہو
صرف اپنے ہی سر کے لیے
سائے کی التجائیں کرو
جن دنوں راتیں سفاف ہوں
شام سے گھر پہنچنے کی جلدی کرو

اور جب سارے موسم سبھی سلسلے
حسبِ معمول ہوں
سب جہانوں کے غم اپنے چہرے پہ لکھ کر
زمانے کا ماتم کرو

☆☆☆

اعتراف

صرف ہوا کے ہاتھ مرے دروازے پر دستک دیتے ہیں
صرف ہوا کے ہاتھ مرے کمرے کا پردہ چھوتے ہیں
مرے کانوں میں سرگوشی
صرف ہوا کرتی ہے
مرے بالوں کو سہلاتی، مجھے سلاتی ہے
مری آنکھیں، نیند کے بوجھ سے بھرتی جاتی ہے
مجھے رقصِ جنوں سکھلاتی میرے وحشت اور بڑھاتی ہے
مجھ پر اس نے شفقت کے سارے دروازے کھول دیئے ہیں
میں نے ہوا کے ہاتھ پہ بیعت کر لی ہے

☆☆☆

ہوا کی مسافت

ہوا چل رہی ہے
دریچوں کے پردے ہلاتی ہوئی
گیت گاتی ہوئی گنگناتی ہوئی
خوشبوئے یار ہمراہ لاتی ہوئی
ہوا چل رہی ہے
بیاباں میں سوئے بگولے جگاتی ہوئی
سبز و شاداب جنگل کے کہنہ درختوں کو
تاراج کرتی ہوئی، خاک اڑاتی ہوئی
طاقچوں میں رکھے ننھے ننھے چراغوں کو
آنکھیں دکھاتی ہوئی
روشنی کو ڈراتی ہوئی
زمانے کے سود و زیاں سے اسے کوئی مطلب نہیں
ہوا چل رہی ہے فقط اپنے انداز سے
ہوا کی مسافت عجب ہے
کہ جس کا سرا ہاتھ آتا نہیں
کہاں جا کے دم لے گی
کوئی بتاتا نہیں

☆☆☆

جنوں کنارہ

۱۹۹۲ء

خلا نورد کی مانند زندگی گزری
نہ حاشیوں میں ملی نے کتاب میں کوئی چیز
جنوں کنارے لگایا تھا ہم نے خیمۂ خواب
ہے آج تک دلِ پر اضطراب میں کوئی چیز

میں شاعر کاذب لفظوں کا میں عاشق کچے رنگوں کا
مرے پاس ہے تھوڑا سرمایہ کچھ جذبوں اورامنگوں کا

مرے شہر ترے میدانوں میں کچھ پھول ٹہلتے رہتے تھے
ترے آسمان پہ میلہ تھا کچھ اڑتی ہوئی پتنگوں کا

مرے دریا ترے کناروں پر کچھ ریت گھروندے روشن تھے
ترے پانی کی آغوش میں تھا اِک ٹولہ مست ملنگوں کا

جب شاخیں سب تابندہ تھیں جب ساری آنکھیں زندہ تھیں
میں پتہ ہوں اس موسم کا میں نوحہ گر ان رنگوں کا

میں ایک سپاہی ہارا ہوا، تسلیم مجھے تسلیم مجھے
اب ذکر نہ چھیڑو میداں کا اب حال نہ پوچھو جنگوں کا

☆☆☆

مری بستی پر مرے لوگوں پر اس بار عذاب نہیں آیا
مری آنکھیں اب کے خشک رہیں یعنی سیلاب نہیں آیا

مرے ہونٹوں سے ان آنکھوں تک بس چندپلوں کی دوری تھی
تو میرے حرفِ تمنا کا کیوں کوئی جواب نہیں آیا

پھر پوچھوں گا کیوں روتے ہو پھر پوچھوں گا کیا کھوتے ہو
ابھی درد کی راہ نہیں آئی، ابھی ہجر کاباب نہیں آیا

وہ روح نہیں اندھیارا ہے وہ آنکھ نہیں انگارہ ہے
جس روح میں رنگ نہیں اترے جس آنکھ میں خواب نہیں آیا

کیا رشتۂ الفت ٹوٹ گیا یا بازوئے وحشت ٹوٹ گیا
کیوں شاخِ شجر سے ملنے کو اب کے مہتاب نہیں آیا

مرے مولاایسے پودوں کو سرسبز بھی رکھ امید بھی دے
ابھی جن کے گلاب نہیں مہکے ابھی جن پہ شباب نہیں آیا

☆☆☆

مری انا مرے دشمن کو تازیانہ ہے
اسی چراغ سے روشن غریب خانہ ہے

میں اِک طرف ہوں کسی کنجِ کم نمائی میں
اور ایک سمت جہانداری زمانہ ہے

یہ طائروں کی قطاریں کدھر کو جاتی ہیں
نہ کوئی دام بچھا ہے کہیں نہ دانہ ہے

ابھی نہیں ہے مجھے مصلحت کی دھوپ کا خوف
ابھی تو سر پہ بغاوت کا شامیانہ ہے

مری غزل میں رجز کی ہے گھن گرج تو کیا
سخن وری بھی تو کارِ سپاہیانہ ہے

☆☆☆

عجیب خوف پس جسم وجاں پکارتا ہے
کہ جس طرح سے کوئی مہرباں پکارتا ہے

یہ کیا جگہ ہے جہاں آتے جاتے بادل کو
غبار ہوتے گھروں کا دھواں پکارتا ہے

میں آئنے سے بہت دور ہوں کئی دن سے
پہ میرا عکس مسلسل وہاں پکارتا ہے

تھکن پروں کے لیے جال بنتی جاتی ہے
کہ صید جسم کو صیادِ جاں پکارتا ہے

یہ جانتا ہے کہ واپس نہ جاسکوں گا وہاں
پر اپنی شاخ کو برگِ خزاں پکارتا ہے

☆☆☆

ہوائے مکر و فن کو شہر فتنہ گر میں رہنا ہے
ہمیں لیکن خلوص وعشق کے چکر میں رہنا ہے

ہمارے پاس ہیں پھر کس لیے رسوائی کے تمغے
ہمیں اشراف کے ہمراہ ان کے ڈر میں رہنا ہے

ہماری رات کیا، دن کیا، مسافت کے بہانے ہیں
کبھی جنگل میں رہنا ہے کبھی اک گھر میں رہنا ہے

ہم اہل شہر سے خائف ہم اہلِ دہر سے لرزاں
کبھی اس خوف میں رہنا کبھی اس ڈر میں رہنا ہے

یہ کرم سنگ بھی تو بادشاہِ وقت ہے یعنی
اسے محلوں میں رہنا ہے اسے پتھر میں رہنا ہے

تم اپنے حال کی تصویر کا حصہ بنو لیکن
ہمیں عہدِ گزشتہ کے کسی منظر میں رہنا ہے

☆☆☆

شامِ ملال کا شریک شوق وصال ہوگیا
لمحہ کم عیار بھی شاملِ حال ہوگیا

میں ترے انتظار میں مشتِ غبار تھا مگر
میں ترے اعتبار سے کوہ مثال ہوگیا

عہد جنوں گزر چکا، زخمِ کہن بھی بھر چکا
یہ مجھے آج کیا ہوا کیوں میں نڈھال ہوگیا

میں نے سرائے خواب میں عمر عزیز کاٹ دی
میں تو غبی تھا کس لیے مجھ سے کمال ہوگیا

موسمِ گل کا ذکر کیا تارِ نفس چراغ جاں
کچھ ترے ساتھ کھو گئے کچھ کو زوال ہوگیا

☆☆☆

ہوا کے پاس بس اک تازیانہ ہوتا ہے
اسی سے شہر و شجر کو ڈرانا ہوتا ہے

وہ ساری باتیں میں احباب ہی سے کہتا ہوں
مجھے حریف کو جو کچھ سنانا ہوتا ہے

منافقوں میں شب و روز بھی گزارتا ہوں
اور ان کی زد سے بھی خود کو بچانا ہوتا ہے

کتاب عمر بھری جا رہی ہے لیکن کیوں
نہ کوئی لفظ نہ چہرہ پرانا ہوتا ہے

وہاں بھی مجھ کو خدا سر بلند رکھتا ہے
جہاں سروں کو جھکائے زمانہ ہوتا ہے

☆☆☆

یہ دھوپ چھاؤں کے اسرار کیا بتاتے ہیں
جو آنکھ ہو تو اسی کا پتہ بتاتے ہیں

یہ کون لوگ ہیں جو سارے کم عیاروں کو
کبھی چراغ کبھی آئینہ بتاتے ہیں

کبھی وہ شخص اک ادنیٰ غلام تھا میرا
رفیق اب جسے اپنا خدا بتاتے ہیں

بہت سے لوگوں کو میں بھی غلط سمجھتا ہوں
بہت سے لوگ مجھے بھی برا بتاتے ہیں

وہ کتنے چھوٹے ہیں اندازہ خود لگا لیجے
جو اپنے آپ کو سب سے بڑا بتاتے ہیں

☆☆☆

مجھے قبول اسے ناقبول ہوگئے ہیں
بہت سے خواب یہاں خاک دھول ہوگئے ہیں

جہاں رقم تھی دھنک ہے وہاں نوشتہ خاک
جہاں گلاب کھلے تھے ببول ہوگئے ہیں

مرے مکاں سے اٹھے ہیں دھوئیں کے یہ بادل
اداسیوں کو جووجہِ نزول ہوگئے ہیں

ابھی ابھی تو ہواؤں میں جھومتے تھے بہت
شجر تمام اچانک ملول ہوگئے ہیں

ہم ایسے دل زدگاں کے لیے زیادہ ہیں
تری نظر سے جو تحفے وصول ہوگئے ہیں

مثالِ سنگ تھے جولوگ اچھے موسم میں
ہوا چلی ہے تو کمزور پھول ہوگئے ہیں

غزل کا ذوق کہاں دل نواز چہروں میں
ہمارے شعر مگر کیوں قبول ہوگئے ہیں

☆☆☆

کبھی تو دعویٔ حق گوئی کرنا چاہتاہوں میں
کبھی معمولی باتوں سے مکرنا چاہتاہوں میں

جہاں جاں کا خطر بھی ہے جہاں جی کا زیاں بھی ہے
انہیں رستوں سے کیوں ہوکر گزرنا چاہتاہوں میں

مجھے دعویٰ نہیں تصویر یکتائی بنانے کا
کسی منظر میں کوئی رنگ بھرنا چاہتاہوں میں

ترا خاموش رہنا اب مجھے اچھا نہیں لگتا
سوادِ شام تجھ سے بات کرنا چاہتاہوں میں

تو میرا یار ہے سب جانتے ہیں ایک مدت سے
یہ کچھ الزام تیرے سر بھی دھرنا چاہتاہوں میں

امیدوبیم کے ساحل پہ ہے کشتی خیالوں کی
نہ جینا چاہتاہوں میں نہ مرنا چاہتاہوں میں

☆☆☆

کچھ لوگ جی رہے ہیں خدا کے بغیر بھی
سناٹے گونجتے ہیں صدا کے بغیر بھی

مٹی کی مملکت میں نمو کی زکوٰۃ پر!
زندہ ہیں پیڑ آب وہوا کے بغیر بھی

یہ نفرتوں کے زرد الاؤ نہ ہوں گے سرد
پھیلے گی آگ تیز ہوا کے بغیر بھی

ربط وتعلقات کاموسم نہیں کوئی
بارش ہوئی ہے کالی گھٹا کے بغیر بھی

دنیا کے کارزار میں بچوں کو ماؤں نے
رخصت کیا ہے حرفِ دعا کے بغیر بھی

خوفِ خدا میں عمرگزاری تو کیاملا
کچھ دن جئیں گے خوفِ خدا کے بغیر بھی

☆☆☆

نہ انتظار نہ قول وقسم سے جاگتی ہے
یہ آنکھ تشنگیِ بیش وکم سے جاگتی ہے

غزال وحشت ودیوانگی اگر کم ہیں
تو جنگلوں کی فضا کس کے رم سے جاگتی ہے

یہ بیج یوں ہی نہیں کھولتے ہیں آنکھوں کو
کہ ان میں زندگی مٹی کے نم سے جاگتی ہے

عجب نشیب وفراز جنوں ہیں دنیا میں
دلوں کی آگ اسی زیروبم سے جاگتی ہے

بلند محلوں کے دروازے ٹوٹ جاتے ہیں
کوئی سپاہ جوخوابِ عدم سے جاگتی ہے

یہاں نہ پیٹ ہی اس شاعری سے بھرتا ہے
یہاں نہ قوم ہی لوح وقلم سے جاگتی ہے

☆☆☆

کسی سے پیار کروں اور بھول جاؤں تو کیا
ہوس کی شمع سرِ طاقِ دل جلاؤں تو کیا

میں اِک پیادہ سرکار زار دنیا ہوں
جو گر پڑوں بھی تو کیا اور نکل بھی جاؤں تو کیا

اسی سبب نہ کیے آرزو کے داغ شمار
چھپاؤں اس سے تو کیا ہو اگر دکھاؤں تو کیا

پہاڑ بولتے ہیں جھرنے گیت گاتے ہیں
کلام ان سے کروں ان میں ڈوب جاؤں تو کیا

مرے رفیق کو فرصت نہیں ہے ملنے کی
گواہیوں میں عدو کو بلا کے لاؤں تو کیا

☆☆☆

ہوائے صبح سے کہنا، چراغ شام سے کہنا
ملالِ رفتگاں روشن ہے کس کس نام سے کہنا

جو آنسو بھاپ بن کر اڑ گئے ان کی حکایت کو
کسی دیوار یا در سے نہ کہنا بام سے کہنا

وہ سارے سچ جو ہم نے تم کو بخشے ہیں وراثت میں
جو تم خود سے نہ کہہ پاؤ ہمارے نام سے کہنا

شگوفوں نے پرندوں کی طرح منقاریں کھولی تھیں
مگر شبنم نہ اتری آسماں کے بام سے کہنا

ادھوری داستانیں ہر طرف دنیا میں بکھری ہیں
کسے آغاز سے سننا کسے انجام سے کہنا

☆☆☆

میرا دشمن تری محفل میں نمایاں ہے تو کیا
ایک چنگاری ذرا دیر کو رقصاں ہے تو کیا

اس کے ملنے پہ نہ تھا دار و مدار دنیا !
اب اگر اس کے بچھڑ جانے کا امکاں ہے تو کیا

عرصہ موج سے چھوٹی تو نہیں ہے کشتی
دل سمندر میں کسی یاد کا طوفاں ہے تو کیا

گرتا پڑتا ترے کوچے میں پہنچ جاؤں گا
راہ مشکل ہے تو کیا اور اگر آساں ہے تو کیا

لوگ تو ذات کے زنداں کی اسیری میں ہیں!
میں یہاں خوش ہوں تو کیا تو جو پریشاں ہے تو کیا

☆☆☆

نام ونسب نہ خود نہ سر دیکھا جائے گا
تیغوں کے معرکے میں ہنر دیکھا جائے گا

جب جب ہوائے شام کے کام آئیں گے چراغ
شدت سے انتظارِ سحر دیکھا جائے گا

سب چل رہے ہیں اپنے تعاقب میں رات دن
مجھ سے نہ یہ عذاب سفر دیکھا جائے گا

پہلے یہ آگ راکھ بنے گی اوراس کے بعد
اس راکھ میں بھی کوئی شرر دیکھا جائے گا

دل بستگی کی شاخ پہ دوچار پھول ہیں
یہ بھی نہیں رہے تو کدھر دیکھا جائے گا

☆☆☆

وہ خواب سرائے ویراں ہے وہ عشق کا شجرہ ختم ہوا
اچھا ہے کہ دل الجھن سے بچا اچھا ہے کہ سودا ختم ہوا

اک روز ہوا نے چراغوں کو طاقوں سے گرا کر خاک کیا
آخر کو یہ جلنے بجھنے کا بیکار تماشہ ختم ہوا

میں دوری اور مجبوری کی سرحد پہ بڑے آرام سے تھا
کیوں وصل کا موسم پاس آیا کیوں ہجر کا رشتہ ختم ہوا

مجھے کچھ بھی یاد نہیں آتا میں کس منظر کا حصہ تھا
مرے ہاتھ کٹے کس میداں میں کس بھیڑ میں چہرہ ختم ہوا

کیا ہاتھ مرے کچھ بھول گئے یا چاک ہوا نالاں مجھ سے
کیوں ایک بھی کوزہ بن نہ سکا اور سارا تودہ ختم ہوا

☆☆☆

اس عالمِ نکہت ورنگت سے آخر کو جدا ہر یار ہوا
کوئی مقتل کا سناٹا ہے کوئی دشتِ فنا کا غبار ہوا

مرے شیشۂ خواب میں روشن تھیں تصویریں گزرے وقتوں کی
سب منکر لذت وراحت تھے پر مجھ سے کہاں انکار ہوا

دریا میں اچانک لہر اٹھی اورساری کشتی بھیگ گئی
اک شعلہ سنگِ جنوں چمکا اورسارا بدن گلنار ہوا

مری خواہش کے گل بوٹوں پر کیا جانئے کیسی برف جمی
ہر ساعت خوف شکار ہوئی ہر لمحہ خزاں آثار ہوا

اک سایہ مرے سرہانے تھا جس وقت مجھے نیند آئی تھی
اک عالمِ حیرت وعبرت میں ان خوابوں سے بیدار ہوا

☆☆☆

صرف یادوں کے حوالے سے نہ بہلا مجھ کو
زندگی کوئی نئی راہ بھی دکھلا مجھ کو

میں امانت تری اک دن تجھے لوٹا دوں گا
دیکھنے دے ابھی ان آنکھوں سے دنیا مجھ کو

سارے اشجار بدلتے ہیں نئی پوشاکیں
ایک ہی جسم پہ کرنا ہے گزارا مجھ کو

خوش تو وہ خود بھی کہاں ہوگا بچھڑ کر مجھ سے
جس نے اس دشت میں چھوڑا ہے اکیلا مجھ کو

میری بیعت کو بھی دوچار پتنگے آئیں
اس سے پہلے کہ بجھادے کوئی جھونکا مجھ کو

اس کی تلوار میں جوہر تھا بلا کا لیکن
جانے کیابات تھی کیوں زخم نہ آیا مجھ کو

☆☆☆

شوق، ہر شخص کو سیرِ گل و گلزار کا ہے
رنگ کچھ اور ہی اب دشت عزادار کا ہے

ورنہ زنجیر تعلق تو بہت ہے کمزور
پاس کچھ ہم کو ابھی تک ترے پندار کا ہے

مرحلہ رزق کا طے ہو تو کھلے شوق کی راہ
بس یہ پتھر ہی تو باعث ہر اک آزار کا ہے

جب سے ہم بیعتِ حالات پہ راضی ہیں جناب
مسئلہ سر کا نہ جھگڑا کوئی دستار کا ہے

اے ہوا، اب کے بہت خاک اڑائی تو نے
یہ بھی کیا کوئی وسیلہ ترے اظہار کا ہے

آئینے آنکھوں کے کچھ اور بتاتے ہیں مگر
اس کی باتوں میں تو منظر فقط انکار کا ہے

☆☆☆

شاخ سے پھول سے کیااس کا پتہ پوچھتی ہے
یا پھر اس دشت میں کچھ اور ہوا پوچھتی ہے

میں تو زخموں کو خدا سے بھی چھپانا چاہوں
کس لیے حال مرا خلق خداپوچھتی ہے

چشمِ انکار میں اقرار بھی ہوسکتاتھا
چھیڑنے کو مجھے پھر میری انا پوچھتی ہے

تیزآندھی کونہ فرصت ہے نہ یہ شوقِ فضول
حال غنچوں کامحبت سے صبا پوچھتی ہے

کسی صحرا سے گزرتاہے کوئی ناقہ سوار
اور مزاج اس کا ہوا سب سے جدا پوچھتی ہے

☆☆☆

زیادہ خواب بھی اعصاب کو تھکاتے ہیں
مسافروں سے کہو راستے بلاتے ہیں

ستم گروں کا قبیلہ کہیں قریب ہی ہے
دعا کے زرد پرندے ادھر سے آتے ہیں

سرائے دل میں کبھی کوئی شخص اترا تھا
دریچے طاقچے دیوار و در بتاتے ہیں

فضائے شوق میں پھیلے ہوئے ہیں جال تو کیا
کہ طائروں کو بڑے داؤ پیچ آتے ہیں

زمین تنگ ہمیشہ سے اہل درد پہ ہے
جبھی یہ لوگ سمندر کے ہوتے جاتے ہیں

☆☆☆

خوشی منائیں ، دلِ نوحہ گر کے ہوتے ہوئے
سرائے میں کوئی رکتا ہے گھر کے ہوتے ہوئے

دریچے چاہئیں دوچار چاہتوں کے بھی
مکاں، مکان نہیں بامِ ودر کے ہوتے ہوئے

چمک بھی اٹھتا ہے اکثر کوئی ستارۂ بخت
نکل بھی جاتی ہے کشتی بھنور کے ہوتے ہوئے

کوئی بشارت تازہ، کوئی حکایت نو
خبر کا قحط ہے اہلِ خبر کے ہوتے ہوئے

اڑان بھرنے سے قاصر ہیں طائرانِ خیال
یہ ماندگی ہے عجب بال وپر کے ہوتے ہوئے

کئی گلاب ہیں تو شے میں اورکئی جگنو
پہ ہم اداس ہیں رختِ سفر کے ہوتے ہوئے

☆☆☆

کام سب لمحہ دشوار میں ممکن ہوجائیں
بہتے دریا، اگر اِک پل کو بھی ساکن ہوجائیں

اسپ وحشت کو ہوا پھر کوئی مہمیز لگائے
کچھ بگولے رم و رفتار کے ضامن ہوجائیں

روزِ اول تو بہت راہ میں کھلتی ہے دھنک
اور جب گھر سے روانہ ہوئے کچھ دن ہوجائیں

کیا نہ روئے گا کوئی کنج گل آثار ہمیں
ہم اگر دشتِ خزاں زاد کے ساکن ہوجائیں

ربط لوگوں سے بدل جائے گا موسم کی طرح
تختِ انکار پہ گر ہم متمکن ہوجائیں

دل میں اک بوند بھی باقی نہ لہو کی رکھیں
اس خزانے کے کبھی ہم سے جو خازن ہوجائیں

☆☆☆

کوئی دھنک مرے منظر میں کیوں نہیں اتری
ہوا کی موج، سمندر میں کیوں نہیں اتری

مرے قبیلے نے ہر رات بس یہی سوچا
کہ فتح اپنے مقدر میں کیوں نہیں اتری

چراغ صبر نے بجھتے ہوئے ہوا سے کہا
کوئی شکست ترے گھر میں کیوں نہیں اتری

کوئی دعا مری شاخوں کو سبز کرتی ہوئی
دلِ تباہ کے بنجر میں کیوں نہیں اتری

ہوا کے ساتھ سفر کر رہی ہے سمتوں کا
یہ مشتِ خاک سمندر میں کیوں نہیں اتری

سگانِ شہر بھی چپ پاسبانِ شہر بھی چپ
کوئی چمک ترے خنجر میں کیوں نہیں اتری

☆☆☆

کسی ہجر کا روزن کیا اک دن دیوارِ وصال میں چمکے گا
کوئی شعلہ وحشت بھی مولا مرے دل کے غزال میں چمکے گا

یہ رات لہو میں دف کی طرح بج اٹھے گی اک آہٹ سے
کوئی منظر ہمت افزا بھی اس شام ملال میں چمکے گا

میں چاک کی گردش تیز کروں ترے تودے کو مہمیز کروں
اے مٹی تیرا رنگ بہت مرے دستِ کمال میں چمکے گا

جب دھوپ بھرے دالانوں میں اترے گا اندھیروں کا لشکر
کوئی اسم نگاہ میں لرزے گا کوئی جسم خیال میں چمکے گا

معلوم ہے سب کو مآل یہاں، مت پوچھ کسی کا حال یہاں
ترے لہجے کا سناٹا بھی، ترے حرفِ سوال میں چمکے گا

کسی حیرت کا امکان نہیں اب شہر جنوں سامان نہیں
سورج یہاں دکھ میں دمکے گا مہتاب ملال میں چمکے گا

☆☆☆

کسی چراغ کی چاہت میں مر نہ جاؤں میں
کسی ملال کے دل میں اتر نہ جاؤں میں

میں اپنی شاخ پہ رکنا تو چاہتا ہوں مگر
ہوا ہو تیز تو کیسے بکھر نہ جاؤں میں

اب اپنے آپ سے آگے قدم نہیں پڑتے
تو یہ سفر بھی ترے نام کر نہ جاؤں میں

یہ آبشار یہ اشجار یہ زمیں کی مہک
تو اس نواح میں کیسے ٹھہر نہ جاؤں میں

بہت شکستہ ہے دریائے انتظار کا پُل
کسی بھنور کی تہوں میں اتر نہ جاؤں میں

☆☆☆

اداس گلیوں میں روشنی کی قطار کیوں ہے
یہ شہر دکھ ساعتوں میں بھی زرنگار کیوں ہے

سنا تو یہ تھا کہ وحشتیں ختم ہوچکی ہیں
تو پھر یہ صحرائے جاں میں اتنا غبار کیوں ہے

قبیلے والے تو فتح کی شب منا رہے ہیں
بزرگ سردار شام سے اشکبار کیوں ہے

شکستہ تیغوں سے پوچھتی ہے زمینِ مقتل
ہر اک بہادر کو نم زمینوں سے پیار کیوں ہے

بدن میں کیوں برف رت کے آثار جاگتے ہیں
لہو کا دریا جماؤ سے ہمکنار کیوں ہے

☆☆☆

شکستہ جسم لیے خود تو پار اتر آیا!
غریقِ دجلۂ خوں دوستوں کو کر آیا !

ابھی ملال کے منظر میں جان باقی تھی
کہ اک چراغ لیے کوئی بام پر آیا

فصیلِ شہر تری پختگی غنیمت ہے
مرا عدو تو مری روح میں اتر آیا

نئی رتوں کے تقاضے بہت نئے تھے مگر
میں آدمی تھا پرانا سو بچ کے گھر آیا

چراغ چہروں کی رونق سیاہ رات سے تھی
سحر ہوئی تو غریبوں کا منہ اتر آیا

لہو میں گونجتی رہتی ہے ہجر کی آواز
عجیب لوگ تھے میں جن کو چھوڑ کر آیا

عجب اداس ندی تھی ہماری چاہت بھی
نہ کوئی لہر اٹھی نے کوئی بھنور آیا

☆☆☆

مری دھرتی کو مرے لوگوں کو موسم کاشکارتو ہونا ہے
جو پچھلی رات میں ہو نہ سکا وہ سب اس بار تو ہونا ہے

کچھ سنگ سروں کی تاک میں ہیں کچھ جال پروں کی تاک میں ہیں
یہ بستی ہے ہنگاموں کی یہاں چیخ وپکار تو ہونا ہے

اس ساحل سے اس ساحل تک ہر موج کا منھ ہے موت کا منھ
کشتی تری منت کرنی ہے دریا ترے پار تو ہونا ہے

میں ہجرسرا میں لیٹا ہوا اک مہمل سوچ کی رو میں ہوں
اے لذت وصل یار کبھی تجھ سے بیزار توہونا ہے

یہ دشت بھی زد میں دشمن کی اک روز اچانک آئے گا
مرے خیمے خاک میں ملنا ہیں مجھے یاں سے فرار تو ہونا ہے

سب شہر سفر کو جاتاہے سو میں بھی کچھ سامان کروں
یہ بات الگ میں جانہ سکوں لیکن تیار تو ہونا ہے

☆☆☆

جلے چراغ بھلا کیسے تا سحر کوئی
ہوا کے پاس نہیں دوسرا ہنر کوئی

ابھرتی ڈوبتی گزرے ہوئے وصال کی ناؤ
بدن کے بحر میں پڑتا ہوا بھنور کوئی

یہ دل جزیرہ کسی دھند کے غلاف میں ہے
سو اب جہاز نہیں آئے گا ادھر کوئی

اداس چاند نے دریا کے در پہ دستک دی
خوش آمدید کو بڑھنے لگا بھنور کوئی

کسی سوال کا چہرہ کسی خیال کا پھول
نواحِ جاں میں کہاں حرف معتبر کوئی

☆☆☆

میں گزر رہا ہوں فریب خوردہ ساعتوں کے دیار سے
مرا رابطہ بھی کٹا ہوا ہے لہو کی چیخ و پکار سے

کسی اسپ شعلہ خرام پر وہ بہت سی دھول اڑا گیا
وہ بہت سے پھول گرا گیا کسی تیغ تیز کی دھار سے

کبھی سوچنا یہ فضائے دشت میں رقص کیوں ہے غبار کا
نہ سمجھ میں آئے تو پوچھنا کسی تنہا ناقہ سوار سے

میں گھنے درختوں کے سائے میں کسی آسرے پہ رکا ہوا
مجھے کوئی جیسے بلا رہا ہے فصیل ہجر کے پار سے

مرے خواب کتنے عجیب تھے وہ نصاب کتنے عجیب تھے
میں الجھ گیا کسی پھول سے میں لپٹ گیا کسی خار سے

وہ نظر جو ایک سوال بن کے اتر گئی مرے ذہن میں
میں جواب اس کے رقم کروں گا زمیں پہ مشتِ غبار سے

☆☆☆

رہی اگرچہ نگاروں کی مہر بانی بھی
بہت خراب کٹی رات بھی جوانی بھی

تجھے گنوا کے ترے واسطوں کا کیا کرتے
اسی لیے تو نہ رکھی کوئی نشانی بھی

دل ونگاہ کے رستوں میں کون حائل ہے
کہ ہم پہ بند ہوئے روشنی بھی پانی بھی

اگر لبوں سے نہ نکلے اگر دلوں میں رہے
بہت نئی ہے ابھی بات اک پرانی بھی

عذابِ صحبتِ ناجنس کے شکار ہیں ہم
خدا زمیں پہ ہمیں دے ہمارا ثانی بھی

☆☆☆

سخنوری کا بہانہ بناتا رہتا ہوں
ترا فسانہ تجھی کو سناتا رہتا ہوں

میں اپنے آپ سے شرمندہ ہوں نہ دنیا سے
جو دل میں آتا ہے ہونٹوں پہ لاتا رہتا ہوں

پرانے گھر کی شکستہ چھتوں سے اکتا کر
نئے مکان کا نقشہ بناتا رہتا ہوں

مرے وجود میں آباد ہیں کئی جنگل
جہاں میں ہو کی صدائیں لگاتا رہتا ہوں

مرے خدا مجھے مصروفیت بہت ہے مجھے
ترے چراغ جلاتا بجھاتا رہتا ہوں

☆☆☆

اب کے اداسیوں کی تب وتاب اور ہے
آنکھیں وہی ہیں ان میں مگر خواب اور ہے

میں ساحل ہوس پہ کھڑا سوچتا ہوں کیا
یہ پھول اور ہے کہ یہ تالاب اور ہے

موجِ خیال گردشِ بے منظری میں ہے
ایک آسمان جیسے تہہ آب اور ہے

ان آنسوؤں سے کشتِ بدن سینچتا ہوں میں
جوشہر کو ڈبوئے وہ سیلاب اور ہے

گہرے سمندروں سے شکایت نہیں کوئی
دل جس میں ڈوبتا ہے وہ گرداب اور ہے

باہر کی چاندنی کا سبب ہے فلک کا چاند
اندر کے آسمان پہ مہتاب اور ہے

☆☆☆

رگوں میں دوڑ رہا ہے یہ کس خیال کا زہر
بدن میں سوکھتی جاتی ہے ایک خواب کی نہر

چمک اٹھا ہے ان آنکھوں کی پتلیوں کے قریب
کبھی کبھی کوئی جگنو کبھی کبھی کوئی شہر

گزرتے رہتے ہیں دل کے مہیب صحرا سے
کبھی کبھی کوئی دریا کبھی کبھی کوئی لہر

اک انقلاب سے دوچار ہوتے رہتے ہیں
کبھی ستارۂ مژگاں کبھی کنارۂ نہر

چراغ جلتے نہیں جسم وجاں پگھلتے نہیں
سوادِ شام سے کمتر ہے عرصۂ دوپہر

کبھی کبھی مری آنکھوں پہ ٹوٹ پڑتے ہیں
اسی وصال کے منظر اسی وداع کے قہر

چھپے ہوئے تھے پرندے مرے شجر میں کئی
ہلا گئی مرے پتوں کو پھر ہوائے مہر

☆☆☆

بجھتے ہوئے افق سے اترتی اداس شام
جگنومثال ذہن میں کچھ جلتے بجھتے نام

فکر سخن میں گم ہیں پہاڑوں کے سلسلے
یہ آبشار ان سے اترتا ہوا کلام

اک کوزہ گر کے چاک پہ مٹی کاایک ڈھیر
مٹی کے ایک ڈھیر میں چہروں کااژدہام

کچھ جنگلوں میں دھوپ کے لشکر پڑے ہوئے
کچھ بستیوں میں ڈیرے لگائے ہوئے ہے شام

ناآشنا ہیں وحشت و دیوانگی سے ہم
ہر رہگذر پہ خاک اڑانا ہمارا کام

☆☆☆

پلک جھپکتے حقائق فسانہ ہوتے ہیں
یہ قافلے تو ازل سے روانہ ہوتے ہیں

شدید دھوپ سے سمجھوتہ کون کرتا ہے
گھنے درخت ہی سب کا ٹھکانہ ہوتے ہیں

کبھی طویل علاقے سمٹنے لگتے ہیں
کبھی حقیر سے لمحے زمانہ ہوتے ہیں

کھلے دریچے ہوا کو پسند آتے ہیں
چراغِ خانہ ہی اکثر نشانہ ہوتے ہیں

کتاب کوئی ا ترتی نہیں تو کیا غم ہے
کہ ہم پہ ظلم تو پیغمبرانہ ہوتے ہیں

☆☆☆

جب آسمان اندھیرے میں ڈوب جاتا ہے
فضائے یاد میں اک نام جھلملاتا ہے

کوئی ملال چمکتا ہے میری راتوں میں
کوئی زوال مجھے آئینہ دکھاتا ہے

یہی ہوا مرے سینے سے لگ کے روتی ہے
اسی کا ہاتھ دیئے بھی مرے بجھاتا ہے

تمام رات دریچے کے پاس اک چہرہ
طلسم تیرہ شبی کے فریب کھاتا ہے

وہ رنگ کیوں مری آنکھیں بجھائے دیتا ہے
وہ لمس کیوں مری دیوارِ جاں گراتا ہے

مجھے بھی روح ملے کوئی برکتوں والی!
مقامِ ہول مرے راستے میں آتا ہے

☆☆☆

سفر نصیب میں تھا دشتِ ہو سے آگے کا
پہ معرکہ نہ ہوا سر لہو سے آگے کا

مرے خدا مرے دل کی زمیں کے نام بھی لکھ
کبھی کبھی کوئی موسم نمو سے آگے کا

کوئی خیال کسی کنج عافیت کے قریب
کوئی ملال کسی ہاؤ ہو سے آگے کا

کوئی چمک نظر آتی الگ اجالے سے
کبھی نشہ کوئی کرتے سبو سے آگے کا

جہت اک اور بھی تھی شش جہات کے ہوتے
کھلا نہ حال مگر روبرو سے آگے کا

کتابِ جاں کے ورق سادہ وغریب وخراب
پر اس میں ذکر نہیں رنگ وبو سے آگے کا

☆☆☆

سورج کی طرح قریۂ مہتاب میں آیا
رات ایک عجب شخص مرے خواب میں آیا

کیا لہر تھی جو مجھ کو لگا آئی کنارے
کس موج سے پھر حلقۂ گرداب میں آیا

یہ شہر تو صحراؤں کی سرحد پہ بسا تھا
کیسے یہ خرابہ کفِ سیلاب میں آیا

اک یاد سے روشن ہوئے دیوار و در و بام
خم ایک نئی طرح کا محراب میں آیا

پہلے تو دھنک رنگ میں ڈوبا افقِ جاں
پھر منظرِ ہجراں بھی تب و تاب میں آیا

اک شخص کہ یکتا تھا دریدہ دہنی میں
ذکر اس کا مگر پیار سے احباب میں آیا

☆☆☆

جہاں بھی جائیں یہ دل راستے میں حائل ہے
کبھی غنی ہے کبھی کم سواد سائل ہے

اسی کی بزمِ تماشہ میں جاں کوواریں گے
چراغ وآئنہ دونوں کی ایک منزل ہے

یہ لوگ کور نظر ہیں سو ان سے شکوہ کیا
مگر یہ دکھ ہے کہ لوگوں میں تو بھی شامل ہے

یہاں سے بچ کے نکلنا کوئی کمال نہیں
یہاں پہ زندگی کرنا ضرور مشکل ہے

فریب کھا بھی چکا خود کو آزما بھی چکا
مگر یہ دل ہے کہ اب تک اسی پہ مائل ہے

ہوں سجدہ ریز کہ زندہ ضمیر ہوں اب تک
ہزار شکر مرے آنسوؤں میں جھلمل ہے

☆☆☆

یہ لوگ خواب بہت کربلا کے دیکھتے ہیں
مگر غنیم کو گردن جھکا کے دیکھتے ہیں

سنا ہے برف رتیں روشنی سے ڈرتی ہیں
سو اک چراغ کو ہم بھی جلا کے دیکھتے ہیں

جنوں میں کوئی اضافہ نہیں ہے مدت سے
غبارِ جسم بھی اب کے اڑا کے دیکھتے ہیں

یہ دل ہے ٹھہری ہوئی جھیل کی طرح کب سے
اب اس میں پھر کوئی پتھر گرا کے دیکھتے ہیں

پھر اک خیال کو زنجیر کردیا ہم نے
پھر ایک نام کو دل سے مٹا کے دیکھتے ہیں

جو معرکوں میں کبھی بھی نہیں گئے وہ لوگ
زرہ و خود بدن پر سجا کے دیکھتے ہیں

☆☆☆

دیارِ عشق کی شمعیں جلا تو سکتے ہیں
خوشی ملے نہ ملے مسکرا تو سکتے ہیں

ہمیشہ وصل میسر ہو یہ ضروری نہیں
دو ایک دن کو ترے پاس آ تو سکتے ہیں

جو رازِ عشق ہیں ان کو چھپائیں گے لیکن
جو داغِ عشق ہیں سب کو دکھا تو سکتے ہیں

ہم امتحان میں ناکام ہوں یہ رنج نہیں
اسی میں خوش ہیں کہ وہ آزما تو سکتے ہیں

نسیمِ صبح کے جھونکے ہیں خوشگوار مگر
کبھی کبھی یہ دلوں کو دکھا تو سکتے ہیں

یہی بہت ہے کہ اس خار زار دنیا میں
تجھے ہم اپنے گلے سے لگا تو سکتے ہیں

☆☆☆

بچھڑ کے تجھ سے کسی دوسرے پہ مرنا ہے
یہ تجربہ بھی اسی زندگی میں کرنا ہے

ہوا درختوں سے کہتی ہے دکھ کے لہجے میں
ابھی مجھے کئی صحراؤں سے گزرنا ہے

میں منظروں کے گھنے پن سے خوف کھاتا ہوں
فنا کو دستِ محبت یہاں بھی دھرنا ہے

تلاشِ رزق میں دریا کے پنچھیوں کی طرح
تمام عمر مجھے ڈوبنا ابھرنا ہے

اداسیوں کے خدوخال سے جو واقف ہو
اک ایسے شخص کو اکثر تلاش کرنا ہے

☆☆☆

شرابِ شوق سے خالی ایاغ اورخیال
تھکے ہوئے ہیں سبھی کے دماغ اورخیال

اس انتظار میں کب صبح کااجالا ہو
تمام رات جلے ہیں چراغ اورخیال

انہیں سے انجمن خواب میں حرارت ہے
ہیں ہم فقیروں کی دولت یہ داغ اورخیال

ملے جوفرصت دنیا تو خوف آتاہے
ہمارے دشمنِ جاں ہیں فراغ اورخیال

چمک اٹھا ہے اچانک نظر میں پھر ترا نام
مہک اٹھے تری یادوں کے باغ اورخیال

☆☆☆

وہ ایک نام جو دریا بھی ہے کنارا بھی
رہا ہے اس سے بہت رابطہ ہمارا بھی

چمن وہی کہ جہاں پر لبوں کے پھول کھلیں
بدن وہی کہ جہاں رات ہو گوارا بھی

ہمیں بھی لمحہ رخصت سے ہول آتا ہے
جدا ہوا ہے کوئی مہرباں ہمارا بھی

علامتِ شجر سایہ دار بھی وہ جسم
خرابیِ دل و دیدہ کا استعارہ بھی

افق تھکن کی ردا میں لپٹتا جاتا ہے
سو ہم بھی چپ ہیں اور اس شام کا ستارا بھی

☆☆☆

جو عکس یار تہہ آب دیکھ سکتے ہیں
عجیب لوگ ہیں کیاخواب دیکھ سکتے ہیں

سمندروں کے سفر سب کی قسمتوں میں کہاں
سو ہم کنار سے گرداب دیکھ سکتے ہیں

گزرنے والے جہازوں سے رسم وراہ نہیں
بس ان کے عکس سر آب دیکھ سکتے ہیں

ہوا کے اپنے علاقے ہوس کے اپنے مقام
یہ کب کسی کو ظفر یاب دیکھ سکتے ہیں

خفا ہیں عاشق ومعشوق سے مگر کچھ لوگ
غزل میں عشق کے آداب دیکھ سکتے ہیں

☆☆☆

مقام ہول جہاں کے سفر میں آتا ہے
وہی دیار مجھے کس لیے بلاتا ہے

پلٹ پڑے نہ کہیں دشمنوں کا لشکر پھر
سواد خوف میں آواز کیوں لگاتا ہے

حقیقتوں کے خرابے میں پھینک کر مجھ کو
مرا خدا مرے خوابوں کو آزماتا ہے

سبھی کے اپنے مسائل ہیں اپنی تدبیریں
کوئی چراغ جلاتا کوئی بجھاتا ہے

ہوا کا ہاتھ گرا کر شکستہ پتوں کو !
نئی رتوں کے لیے راستہ بناتا ہے

☆☆☆

تلاشِ رزق میں دیوان کرتا رہتا ہوں
ابھی سفر نہیں سامان کرتا رہتا ہوں

خود اپنی راہ میں اکثر پہاڑ اگاتا ہوں
خود اپنی مشکلیں آسان کرتا رہتا ہوں

سجاتا رہتا ہوں کاغذ کے پھول شاخوں پر
میں تتلیوں کو پریشان کرتا رہتا ہوں

میں تخمِ اشک سے طوفاں اگانے کی ضد میں
تمام شہر کو حیران کرتا رہتا ہوں

مرے مکاں میں دھواں بھی گھٹن بھی ہے لیکن
میں خوشبوؤں کو بھی مہمان کرتا رہتا ہوں

☆☆☆

مآلِ برگ، ہوا کو پتہ ہے یا مجھ کو
ہر ایک جبر خدا کو پتہ ہے یا مجھ کو

مرے بدن کے فلک پر کئی ستارے ہیں
مگر یہ دل کے خلا کو پتہ ہے یا مجھ کو

بس ایک نام سماعت میں زندہ ہے اب تک
وہ راز صرف ہوا کو پتہ ہے یا مجھ کو

جو ایک خواب کی تصویر میں نظر آیا
وہ رنگ برگِ حنا کو پتہ ہے یا مجھ کو

نہیں وہ جسم نہیں پھول ہیں لباس میں قید
یہ بات بندِ قبا کو پتہ ہے یا مجھ کو

اکیلے میں بھی کبھی بھول کر نہ رویا میں
مری شکست خدا کو پتہ ہے یا مجھ کو

☆☆☆

ضرورت کے بھنور حالات کے پانی میں آتے ہیں
سو اونچے داموں والے لوگ ارزانی میں آتے ہیں

ستارے آسماں سے ٹوٹتے ہیں کس لیے اکثر
بلندی سے یہ کیوں پستی کی مہمانی میں آتے ہیں

تم ان آنکھوں میں آنسو ڈھونڈتے ہو خشک موسم میں
پرندے جھیل پر شامِ زمستانی میں آتے ہیں

فصیلوں پر کھڑی فوجوں کی آنکھیں پھوڑ کر اکثر
کئی دشوار رستے شہر آسانی میں آتے ہیں

گریباں پھاڑنا پستی میں کچھ اچھا نہیں لگتا
مزے وحشت کے صحراؤں کی ویرانی میں آئے ہیں

☆☆☆

دکھ ازل سے یہاں رائیگانی کے ہیں
سب گرفتار دنیائے فانی کے ہیں

دیکھتا ہوں کئی کشتیاں خواب میں
یہ تو آثار نقلِ مکانی کے ہیں

چاند الجھا ہوا ہے درختوں سے کیوں
کیا یہ پرچم کسی شادمانی کے ہیں

یا ہواؤں کے اعصاب کمزور ہیں
یا چراغوں پہ دن مہربانی کے ہیں

اک مکاں یادعاؤں کا اک سائباں
پیڑ جس میں کئی رات رانی کے ہیں

☆☆☆

نفیِ ذات کے منظر اتارنے والا
وہ کشتیوں میں سمندر اتارنے والا

ہوا کی لہر کو نفرت کا زہر بھی دے گا
کئی چراغ مرے گھر اتارنے والا

شکستہ تیغ سے پوچھا زمینِ مقتل نے
کہاں گیا وہ ہنر سر اتارنے والا

ابھی ابھی کوئی جھونکا اِدھر سے گزرے گا
شجر کے جسم سے زیور اتارنے والا

میں بجھ گیا تو مری راکھ سے طلوع ہوا
فصیلِ خواب کے پتھر اتارنے والا

☆☆☆

مرے آئنے میں نہ دیکھیے کسی ایسے ویسے ملال کو
میں غبار کر کے اڑا چکا کئی قیمتی مہ و سال کو

مری رات میں ہے جو روشنی اسی اسم کا یہ طلسم ہے
اسی واسطے تو بجھا دیا ہے ہر اک چراغ وصال کو

مجھے نجدِ خواب میں چھوڑ کر کوئی شخص کب کا بچھڑ گیا
مری وحشتوں کی خبر اگر ہے تو صرف اس کے غزال کو

میں دکھوں کی شمعیں جلاؤں گا مگر اس طرح کہ دھواں نہ ہو
میں سوال میں نہ اٹھاؤں گا کبھی اپنے دستِ کمال کو

جنھیں منظروں میں کسی کمی کا گلہ ہے رب کریم سے
سو انھوں نے دیکھا نہیں ابھی ترے روپ کو تری چال کو

☆☆☆

دعا کا حرف یہاں محترم نہیں ہوگا
یہ ریگ زار ہے اشکوں سے نم نہیں ہوگا

کھلا کہ موج انہیں پانیوں کا حصہ ہے
سو اب مقابلہ بیش وکم نہیں ہوگا

یقیں دلا کے مجھے لے چلے ہیں مقتل کو
ستم گراں کہ نہیں اب ستم نہیں ہوگا

معاملات تو بنتے بگڑتے رہتے ہیں
میں وہ کروں گا کبھی جس کا غم نہیں ہوگا

دمِ وصال جو آئے گا اس کے چہرے پر
دھنک کے رنگ سے وہ رنگ کم نہیں ہوگا

مرا خیال ہے آباد اس کے ہونے سے
یہ اور بات کہ اب وہ بہم نہیں ہوگا
☆☆☆

ہم اپنے ہجر میں اپنے وصال میں گم ہیں
وہ سوچتا ہے کہ اس کے خیال میں گم ہیں

ہر ایک لمحۂ لذت حساب مانگتا ہے
سو ہم بھی سب کی طرح اک سوال میں گم ہیں

شفق کی آنکھ کسے رو رہی ہے مدت سے
دیار و دشت سبھی کس ملال میں گم ہیں

رتوں کے دائرے کیوں آج تک سلامت ہیں
تمام سلسلے کیوں ماہ وسال میں گم ہیں

یہ چاند جھیل کے پانی سے ہم کلام ہے کیوں
کنارے کس لیے رنج وملال میں گم ہیں

☆☆☆

میں دھول میں پھول کھلاتا ہوں اس موجِ رواں کے اشارے پر
کبھی ایک یقیں کی سرحد پر کبھی ایک گماں کے کنارے پر

سب منظر ٹھہرا ٹھہرا تھا سناٹا گہرا گہرا تھا
اک نام نے دل پر دستک دی اک بوند گری انگارے پر

کب آبِ خنک کی نہر ملی کب کوئی نگاہ مہر ملی
کس دھرتی نے کس مٹی نے احسان کیا بنجارے پر

آنکھوں کو تو ہر اک منظر سے سمجھوتے کی عادت تھی سو رہی
دل دنیا سے بیگانہ تھا افتاد پڑی بیچارے پر

میں عالم سارا چھان گیا ہر چہرے کو پہچان گیا
مرے خوابوں کی آبادی ہے شاید کسی اور ستارے پر

☆☆☆

ترا غرور مری عاجزی ہے کتنی دیر
بذات خود یہ حسیں زندگی ہے کتنی دیر

چراغِ راہگزر سے ہوا نے ہر لحہ
یہی کہا ہے تری روشنی ہے کتنی دیر

بس ایک لمس ہی کافی ہر اک تباہی کو
مزاجِ غنچہ ہوا پوچھتی ہے کتنی دیر

یہ رت جگے بھی وراثت ہیں اگلی نسلوں کو
ہر ایک آنکھ یہاں جاگتی ہے کتنی دیر

ہر اختتام سفر جسم وجاں کوتوڑتا ہے
تھکن دلوں کوسکوں بانٹتی ہے کتنی دیر

بس ایک وہم کا منظر ہے ساری آنکھوں میں
نظر کسی کو یہاں دیکھتی ہے کتنی دیر

☆☆☆

دکھ بہت ہوتے ہیں یادوں کی پذیرائی میں
اب اسے سوچنامت موسمِ تنہائی میں

صرف اک بار مناظر پہ نظر ڈالی تھی
سو اسی دن سے کمی آگئی بینائی میں

بے ضمیری کی بدولت تروتازہ ہیں سبھی
ورنہ اک قہر ہے ہر روح کی گہرائی میں

کوئی زنجیر سے خائف کوئی رسوائی کادوست
بس یہی فرق ہے نادانی ودانائی میں

☆☆☆

دل وحشی تجھے اک بار پھر زنجیر کرنا ہے
کہ اب اس سے ملاقاتوں میں کچھ تاخیر کرنا ہے

مرے پچھلے بہانے اس پہ روشن ہوتے جاتے ہیں
سو اب مجھ کو نیا حیلہ نئی تدبیر کرنا ہے

کماں داروں کو اس سے کیا غرض پہنچے کہ رہ جائے
انہیں تو بس اشارے پر روانہ تیر کرنا ہے

ابھی امکان کے صفحے بہت خالی ہیں دنیا میں
مجھے بھی ایک نوحہ جابجا تحریر کرنا ہے

☆☆☆

بدن کے طاقچے میں گرد ہے گزرے زمانوں کی
بشارت دے کوئی شمع ہوس آئینہ خانوں کی

اگرچہ قافلہ رخصت ہوئے مدت ہوئی لیکن
صدائیں دشت میں زندہ ہیں اب بھی سار بانوں کی

ابھی تو میں کسی دیوار پر تکیہ نہیں کرتا
ضرورت دھوپ کے موسم میں ہوگی سائبانوں کی

اصولوں سے زیادہ جان پیاری سب کو ہوتی ہے
سو میں نے بھی قصیدے شان میں لکھے کمانوں کی

☆☆☆

مجھے نظر سے تجھے شاخ سے گرا بھی گئے
ہوا کے ہاتھ چراغوں کے دل بڑھا بھی گئے

سفارتوں پہ رہے عشق کم عیار کی ہم
سو نازِ حسن دو روزہ بہت اٹھا بھی گئے

ہمارا کیا ہے مریدانِ عصر ہیں ہم لوگ
ہوا چلی ہے تو پیرانِ پار سا بھی گئے

تمام حیلہ وتدبیر بے اثر ہیں کہ اب
چراغِ انجمن خواب جھلملا بھی گئے

☆☆☆

مرے ریگ زار میں اس برس یہ کمال موجِ بلا کا تھا
نہ وہ کشتیاں تھیں غبار کی نہ وہ بادبان ہوا کا تھا

کبھی چشم شوق کے سامنے کوئی شے دھنک کی طرح کھنچی
کبھی دل کے دشت میں پھول سا کوئی کھل گیا جو بلا کا تھا

کبھی ایک یاد کی لہر نے مرے ساحلوں کو سبک کیا
کبھی اک ستارہ چمک اٹھا جو اسی ستارہ نما کا تھا

کئی رنگ جس میں سما گئے وہ طویل دھوپ کی جھیل تھی
جو کئی چراغ بجھا گیا ہے وہ ہاتھ بادِ فنا کا تھا
☆☆☆

مرے لوگ خیمہ صبر میں، مرے شہر گردِ ملال میں
ابھی کتنا وقت ہے اے خدا ان اداسیوں کے زوال میں

کبھی موجِ خواب میں کھو گیا کبھی تھک کے ریت پہ سو گیا
یونہی عمر ساری گزار دی فقط آرزوئے وصال میں

کہیں گردشوں کے بھنور میں ہوں کسی چاک پر میں چڑھا ہوا
کہیں میری خاک جمی ہوئی کسی دشتِ برف مثال میں

یہ ہوائے غم یہ فضائے نم مجھے خوف ہے کہ نہ ڈال دے
کوئی پردہ میری نگاہ پر کوئی رخنہ تیرے جمال میں

☆☆☆

کس نے کوئی سچ لکھا ہے، یہ فقط الزام ہے
شاعری محرومیوں کا خوبصورت نام ہے

بے غرض ملنے کی ساری منطقیں جھوٹی ہیں یار
تو جو آیا ہے تو اب بتلا بھی دے کیا کام ہے

اب کے میخانے کی مٹی پر کوئی دھبہ نہیں
رند ہیں ٹوٹے ہوئے ہاتھوں میں ثابت جام ہے

نے شکوہِ سروری ہے، نے جمالِ دلبری
دل کسی فرعونِ بے ساماں کا اہرام ہے

☆☆☆

ابھی دریچہ دل سے ہوا ہے کتنی دور
وہ لمسِ خواب وہ آوازِ پا ہے کتنی دور

میں کس مقام پہ ہوں اے محیطِ تنہائی
یہاں سے منزلِ صبرورضا ہے کتنی دور

تمام دشت میں ظلمت کے شامیانے ہیں
نزولِ صبح ترا قافلہ ہے کتنی دور

جہاں ہوا کا گزر ہے نہ تتلیوں کا ہجوم
عجیب پھول ہے جا کر کھلا ہے کتنی دور

جو سوچیے تو ہیں ان دوریوں میں ربط کے رنگ
جو دیکھیے تو زمیں سے گھٹا ہے کتنی دور

☆☆☆

وہ آدمی جو تری آرزو میں مرتا ہے
وہ تجھ سے پیار نہیں خود سے عشق کرتا ہے

فضا میں خوف کے پرچم بلند ہوتے ہیں
سوادِ شام سے لشکر کوئی گزرتا ہے

مری زمیں کے بلاوے غضب کے ہیں لیکن
کوئی جنوں مرے پر رات دن کترتا ہے

میں اپنے آپ کو اب کس کے چاک پر رکھوں
شکستہ ظرف دوبارہ کہیں سنورتا ہے

لگے ہوئے ہیں جہاں پر وصال کے خیمے
ادھر سے ہجر کا رہوار بھی گزرتا ہے

☆☆☆

نہ کوئی صبح فراق اور نہ کوئی شامِ وصال
چمک کے بجھ گئے آخر سبھی طرح کے خیال

مرے شجر پہ نہ اترا کوئی حسیں طائر
بدل گئے کئی موسم گزر گئے کئی سال

بس ایک جنبش لب داستان سے آگے
بس اک نگاہ نے پیدا کیے بہت سے سوال

ترے سفر پہ روانہ کبھی ہوا تھا میں
یہ دیکھ سر میں ابھی تک جمی ہے گردِ ملال

ترے وصال کی خوشبو تلک تھیں سب باتیں
سو دل میں اب نہیں آتا بغاوتوں کا خیال

☆☆☆

وہ جب ملا تو کسی رنج رائیگاں میں ملا
میں جب کھلا تو کسی شاخ بے اماں پہ کھلا

مرے جہاں سے مرا رابطہ یونہی سا ہے
مجھے بھی اس سے شکایت اسے بھی مجھ سے گلہ

میں ایک بار جو ٹوٹا تو پھر جڑا نہ کبھی
وہ ایک بار جو بچھڑا تو پھر کہیں نہ ملا

مکانِ خواب کسی برہمی کی زد میں ہے
نہ طاقچوں میں دیئے ہیں نہ آئینوں میں جلا

رفو گراں تو ہنر مند وخوبصورت تھے
مگر کسی سے مرا چاک آرزو نہ سلا

☆☆☆

مرے چراغ کو یہ وہم کھائے جاتا ہے
کہ اس کو ہاتھ ہوا کا بلائے جاتا ہے

میں اپنے جسم کی سرحد میں گھٹتا جاتا ہوں
وہ مملکت کو انا کی بڑھائے جاتا ہے

چمک رہا ہے فلک پر بس اک ستارہ ہجر
شبِ سیاہ مری جگمگائے جاتا ہے

میں ایسے ہاتھ کی تعظیم کر نہیں سکتا
جو آسماں سے پرندے گرائے جاتا ہے

میں سب سے ناتواں انسان ہوں قبیلے کا
پر اک جنوں مجھے میداں میں لائے جاتا ہے

☆☆☆

حریف کوئی نہیں دوسرا بڑا میرا
سدا مجھی سے رہا ہے مقابلہ میرا

مرے بدن پہ زمانوں کی زنگ ہے لیکن
میں کیسے دیکھوں شکستہ ہے آئنہ میرا

مرے خلاف زمانہ بھی ہے زمین بھی ہے
منافقت کے محاذوں پہ مورچہ میرا

میں کشتیوں کو جلانے سے خوف کھاتا نہیں
زمانہ دیکھ چکا ہے یہ حوصلہ میرا

مرے سوال سے ہر شخص کو ملال ہوا
پہ حل کیا نہ کسی نے بھی مسئلہ میرا

☆☆☆

ترا چراغ ، مرا دل بجھانا چاہتے ہیں
ہوا کے ہاتھ کرشمے دکھانا چاہتے ہیں

جبھی تو ڈھیر لگائے ہیں سنگ ریزوں کے
ہمیں یہ اہلِ خرد آزمانا چاہتے ہیں

وہی زمین سمندر کی ہوتی جاتی ہے
کہ ہم جہاں بھی کوئی گھر بنانا چاہتے ہیں

سمیٹ لو تو یہ منظر ہیں ایک لمحے کے
جو طول دو تو یقیناً زمانہ چاہتے ہیں

ہمارا دل کہ تمہارا غرورِ تشنہ لبی!
تمام تیر ستم اک نشانہ چاہتے ہیں

ہمیں پتہ ہے کہ ترسیں گے عکس کو اپنے
وہ سارے لوگ جو آئینہ خانہ چاہتے ہیں

ہمیں سے رکھتے ہیں پرخاش بھی عداوت بھی
ہمیں سے اہل جہاں دوستانہ چاہتے ہیں

☆☆☆

سچ بول کے بچنے کی روایت نہیں کوئی
اور مجھ کو شہادت کی ضرورت نہیں کوئی

میں رزق کی آواز پہ لبیک کہوں گا
ہاں مجھ کو زمینوں سے محبت نہیں کوئی

میرے بھی کئی خواب تھے میرے بھی کئی عزم
حالات سے انکار کی صورت نہیں کوئی

ہر شام ہی آتا ہے کسی چاند کا پیغام
لیکن شبِ مہتاب کی حاجت نہیں کوئی

میں جس کے لیے سارے زمانے سے خفا تھا
اب یوں ہے کہ اس نام سے نسبت نہیں کوئی

لہجہ ہے مرا تلخ مرے وار ہیں بھر پور
لیکن مرے سینے میں کدورت نہیں کوئی

☆☆☆

کچھ جذبے اور جنون لیے مایوس وملول سے رہتے ہیں
ہم انسانوں کے جنگل میں اک شاخ ببول سے رہتے ہیں

یوں تو بنجر ہے پہلے سے لیکن اس دل کی دھرتی پر
کچھ خوشبو عہد گزشتہ کی کچھ چہرے پھول سے رہتے ہیں

ہم درویشانِ عہد کہن ہم سرمستانِ بادہ فن!
کبھی رکھتے ہیں ربط بہاراں سے کبھی رشتے دھول سے رہتے ہیں

صورت بھی نہیں اچھی اپنی سیرت بھی نہیں اچھی اپنی
سرِ کوئے نگاراں ہم لیکن پھر بھی مقبول سے رہتے ہیں

ہر ماہ کٹوتی خرچے میں ہر سال اضافہ اجرت میں
ہر روز بخیلی محنت میں کچھ لوگ اصول سے رہتے ہیں

سرسید کو محدود کیے اک چھوٹی سی کالونی ہے
جہاں کا بک نما مکانوں میں چہرے مجہول سے رہتے ہیں

☆☆☆

یقیں سفر میں چراغِ گماں سے کیاہوگا
محبتوں میں کسی رازداں سے کیاہوگا

ہم ایسے چاک بدن بے رفو فقیروں کا
بھلاعبا وقبائے شہاں سے کیاہوگا

ہماری اپنی ہی سمتیں ہیں اپنے مرکز ہیں
کسی کے تیر کسی کی کماں سے کیاہوگا

ہم اس چراغ کواپنی طرح بجھادیں گے
ہمارے بعد زبان وبیاں سے کیاہوگا

زمیں تو پاؤں ہمارے پکڑ نہیں پائی
جوکرسکے سو کرے آسماں سے کیاہوگا

نہ میری چیخ وراثت ہو اگلی نسلوں کو
ہوا ہے مجھ سے ہی کیا کودکاں سے کیاہوگا

☆☆☆

دریچے طاقچے، سننے کا لطف اٹھاتے ہوئے
دیئے کے ہونٹ کوئی داستاں سناتے ہوئے

بدن میں شامِ زمستاں طلوع ہوتی ہوئی
گداز گرم پرندے گھروں کو جاتے ہوئے

ہر اک مقام پر نادیدہ دشمنوں کا خوف
تمام عمر کٹی دست و پا بچاتے ہوئے

ہمارے دل میں عجب ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہوئی
ہم اپنے گھر کو مگر رات دن سجاتے ہوئے

ہم اک طلسم کا در کھولنے گئے تھے مگر
پلٹ کے آئے فقط حیرتیں بڑھاتے ہوئے

زمین اپنے تقاضوں کو تیز کرتی ہوئی
فضائے یاد میں کچھ نام جھلملاتے ہوئے

سکوت، ساحلِ دریا پہ آنکھ ملتا ہوا
بھنور کے ہاتھ کئی کشتیاں تراتے ہوئے

☆☆☆

سیلِ گریہ کا سینے سے رشتہ بہت
یعنی ہیں اس خرابے میں دریا بہت

میں نے اس نام سے شام رنگین کی
میں نے اس کے حوالے سے سوچا بہت

دیکھنے کے لیے سارا عالم بھی کم
چاہنے کے لیے ایک چہرہ بہت

اس سے آگے تو بس خواب ہی خواب تھے
میں نے اس کو مجھے اس نے دیکھا بہت

میں بھی الجھا ہوں منظر کے نیرنگ سے
میرے پیروں سے لپٹی ہے دنیا بہت

رفتگاں کے قدم جیسے آہو کا رم
جانے والوں کو رستوں نے روکا بہت

جنگجو معرکوں میں ہوئے سرخرو
بستیاں بین کرتی ہیں تنہا بہت

☆☆☆

اب احمق داناؤں جیسی باتیں کرتے ہیں
سو ہم صرف خلاؤں جیسی باتیں کرتے ہیں

جانے کیاافتاد پڑے گی اب کے بستی پر
دھوپ کے لشکر چھاؤں جیسی باتیں کرتے ہیں

جن کے ترکش تیرِ ستم سے خالی ہوتے ہیں
وہ بھی کرم فرماؤں جیسی باتیں کرتے ہیں

ہم نے اپنادستِ سوال قلم کر ڈالا ہے
ہم سے شاہ گداؤں جیسی باتیں کرتے ہیں

ہر دل میں دریاؤں کی طغیانی خوابیدہ
لب لیکن صحراؤں جیسی باتیں کرتے ہیں

کبھی کبھی جب شام کوسورج سونے جاتا ہے
جنگل خواب سراؤں جیسی باتیں کرتے ہیں

☆☆☆

اس شہر عزت داراں میں ہم مال ومنال نہیں رکھتے
کبھی اپنا خیال نہیں رکھتے کبھی اس کا خیال نہیں رکھتے

کبھی چاہا تھا کسی صورت کو کبھی پوجا تھا کسی مورت کو
اب ہجر کی حد سے باہر ہیں اب شوقِ وصال نہیں رکھتے

وہ گل ہیں کون سی کیاری میں، جنھیں مرجھانے کی فکر نہیں
وہ آئینے کس دُکان میں ہیں جو گردِ ملال نہیں رکھتے

یہ اور طرح کے شکاری ہیں، بس تیرِ ستم کے پجاری ہیں
کچھ دانہ ان کے پاس نہیں، یہ کوئی جال نہیں رکھتے

بے بال وپری میں زندہ ہیں پر خود سے کہاں شرمندہ ہیں
ہمیں فکرِ عروج سے کیا لینا جب فکرِ زوال نہیں رکھتے

اسباب وعلل سے دوری ہی ہم لوگوں کی مجبوری ہے
ہم بندے اپنے رب کے ہیں، سو کچھ جنجال نہیں رکھتے

اس شہر گماں میں مستقبل اور حال کی صورت ایک سی ہے
اس خوف سے اپنے بچے کا ہم نام اقبال نہیں رکھتے

☆☆☆

وصالِ جسم وصالِ نظر سے کم ہے بہت
مگر کسی کے نہ ملنے کا دل کو غم ہے بہت

اسی جبیں پہ ہیں روشن انا کے تارے بھی
یہی جبین ترے آستاں پہ خم ہے بہت

خیال یہ تھا کہ دریا اتر ہی جاتے ہیں
ملال یہ ہے کہ وہ آنکھ اب بھی نم ہے بہت

دیارِ جاں کے شجر تھے ہرے بھرے کافی
ہوائے تیز کا اب تو مگر کرم ہے بہت

پلٹ پڑو کہ یہ موسم بدل بھی سکتا ہے
ابھی تو شہرِ گماں کی زمین نم ہے بہت

قصیدہ گوئی کے آداب سے بھی واقف ہیں
عزیزؔ ہم کو مگر حرمتِ قلم ہے بہت

☆☆☆

دل و نظر کو لہو میں ڈبونا آتا ہے
نہ اب ہنسی ہمیں آئے نہ رونا آتا ہے

ہوا کے ہاتھ چراغوں سے کھیلتے ہیں یونہی
کہ ہاتھ بچوں کے جیسے کھلونا آتا ہے

ہم اہلِ زر کے دروں پر قدم نہیں رکھتے
گدائے خاک ہیں مٹی پہ سونا آتا ہے

خمارِ در بدری چین سے نہ رہنے دے
جو خواب آتا ہے اکثر سلونا آتا ہے

غزل کے شعر ہیں مفرد مگر وہ شاعر ہے
جسے سب ایک لڑی میں پرونا آتا ہے

☆☆☆

مجھ کو یقیں بہت نہ تھا اس کو گماں بہت ہوا
جل گئی چوبِ سبز بھی گرچہ دھواں بہت ہوا

وہ مرا یار تھا مگر اس کے اصول تھے جدا
ضبطِ سخن کے باب میں میرا زیاں بہت ہوا

ہم تو غلام لوگ ہیں ہم سے نہ پوچھئے حضور
ابر کرم کہاں گیا، ظلم کہاں بہت ہوا

اے کسی یاد کے سمنداب نہ ادھر نگاہ کر
تیرے خرام سے خجل آبِ رواں بہت ہوا

لوحِ خیال یار نے آگ کو پھول کردیا
سحر طلسم ذات کا شعلہ فشاں بہت ہوا

☆☆☆

گزشتہ کل کا سبق

میں خوشبوؤں کے تعاقب میں دور تک جاتا
کسی گلاب کے مسند پہ دھوپ کھاتی ہوئی
شریر تتلی کو چھونے کی سعیٔ لاحاصل
لچکتی شاخوں کی وہ برہمی وہ تیکھا پن
اور ان کے نیزے مرے ہاتھ میں اتر جاتے
میں ایک ٹیس لیے کھینچ لیتا اپنا ہاتھ
غرض کہ سعیٔ مسلسل میں شام ہو جاتی
تھکا تھکایا ہوا گھر کو میں پلٹ آتا
تو میری ماں مجھے ہلکی سی سرزنش کرتی
میں اس کی ڈانٹ سے تھوڑا اداس ہو جاتا
یہی اداسی لیے دھیرے دھیرے سو جاتا
جو صبح میرا بدن چوم کر اٹھاتی مجھے
گزشتہ کل کا سبق پھر اسی طرح پڑھتا
ہوا سے، شاخ سے، تتلی سے، شام سے لڑتا

☆☆☆

مفروضہ

ہمیں خبر تھی کہ زندگی کے تقاضے کتنے شدید تر ہیں
ہمیں خبر تھی
کہ یہ مناظر یہ پھول جذبے ہوا صفت ہیں
ہمیں خبر تھی کہ عشق رات اور وصال کی عمر مختصر ہے
ہمیں خبر تھی کہ لذتِ یک نفس کا خمیازہ عمر بھر ہے
مگر وہ موسم
کہ جب لہو کا گداز دریا بپھر اٹھا تھا
تو ہم نے یہ فرض کر لیا تھا
کہ ہم کو کچھ بھی خبر نہیں ہے

☆☆☆

یہ عجیب خواب ہے

راستہ خطِ پرکار کی طرح واپس پلٹنے کو ہے
درد گھٹنے کو ہے
روشنی صرف نقطوں لکیروں میں بٹنے کو ہے
پھیلتا شہر اک دن سمٹنے کو ہے
وقت کا تیز پانی، تسلسل سے بہتا ہوا
خس و خاشاک کو ساتھ لیتا ہوا
سمندر میں ملتا رہے گا
چاند یونہی کھلے آسمانوں پہ کھلتا رہے گا
میں حقارت کے منظر سے ٹپکا ہوا رنگ ہوں
میرے اجداد کی خاک کو تیز پانی کا ریلا بہا لے گیا
(مجھ سے کیا لے گیا؟)
ساحلِ نیل سے رودِ گنگا تلک
ایک مبہم اداسی میں ڈوبی ہوئی شام ہے
شام کے نفسیاتی اثر سے الگ، شہرِ علم و ہنر سے الگ
کوئی سایہ سرِ بام ہے
سبز پریوں کے سارے پرے اڑ گئے
اب فقط
بھتنیاں، ڈائنیں اور تعفن میں لپٹی ہوئی عورتیں
سارے منظر کو مجروح کرتی ہوئی
پرانے مکانوں کے بوسیدہ کمرے، شکستہ منارے، کھلے صحن و در

گئے وقت کی داستانیں سناتے ہوئے
چاند خاموش و حیران ہے!!
منظروں کا گھنا پن
سخاوت کی بوندیں لٹاتے ہوئے
بادلوں کے بنا کیسے باقی رہے
چاہتوں کا تسلسل فقط خون کی گردشوں سے عبارت نہیں
رتوں کا تواتر سیاست نہیں
رات......اسرار کے بے نہایت خزانے پہ بیٹھا ہوا سانپ ہے
چار سو ایک دشتِ طلسمات ہے
چاند، جنگل کے سب سے پرانے شجر سے لپٹنے کو بیتاب ہے
یہ عجب خواب ہے، یہ عجب خواب ہے
ساربانوں نے اونٹوں کی آنکھوں میں
بہتی ہوئی ندیاں دیکھ لیں

اب یہ صحرا سرابوں سے سیراب ہے
یہ بصارت کو بیکار کرتی ہوئی روشنی
کتنی کم ظرف ہے کتنی سفاک ہے
اور اندھیرے کی پھیلی ہوئی سلطنت
مادرِ مہرباں کی طرح اپنی آغوش کو وا کیے
ہر اداسی سے ملنے کو تیار ہے

☆☆☆

یہی بہت ہے

یہ فاصلوں کے اداس دریا
ازل سے یونہی رواں دواں ہیں
اور ان پہ پُل، انتظارِ جاناں کے سیکڑوں ہیں
مگر سبھی پُل شکستگی سے قریب بھی ہیں
سو دھیرے دھیرے ہر ایک پل
فاصلوں کے پانی میں ڈوبتا ہے
ازل سے شاید یہ سلسلہ ہے
ہمارا پل اپنی کم نصیبی کو رو رہا ہے
ہمیں بھی محسوس ہو رہا ہے
کہ فاصلوں کا یہ تیز دریا
اسے بھی اک روز چاٹ لے گا
مگر میں تم سے یہ پوچھتا ہوں
کہ پل کے ہونے نہ ہونے سے فرق کون سا ہے؟
تم اپنے ساحل پہ چہچہاتے پرند، کھلتے گلاب دیکھو

مسرتوں کی کتاب دیکھو
سیاہ راتوں میں چہرۂ ماہتاب دیکھو
میں اپنے ساحل پہ
موسموں کے عذاب دیکھوں
گئی رتوں کے نصاب دیکھوں
کبھی کبھی کوئی خواب دیکھوں
یہی بہت ہے...... یہی بہت ہے

☆☆☆

مجھے کوئی گواہ چاہیے

بدن کی مملکت کو کوئی بادشاہ چاہیے
طہارتوں کے ذائقے میں اب کوئی کشش نہیں ہے
لذتِ گناہ چاہیے
یہ زندگی یہ فلسفوں کے بوجھ سے خمیدہ زندگی
یہ آدمی، یہ ضابطوں کے درمیاں
لباسِ بے شکن کی قید میں بدن دریدہ آدمی
یہ سب بڑے فضول راستوں کے شہ سوار ہیں
یہ اپنے رب کی نعمتوں کو خود پہ کیوں حرام کر رہے ہیں آج تک
یہ صرف شر کی ٹوپیاں سروں پہ کیوں رکھے ہوئے ہیں آج تک
یہ کرم خوردہ ٹوپیاں بذاتِ خود عذاب ہیں
یہ لوگ کرم خوردہ ٹوپیوں سے کب نجات پائیں گے
مجھے یہ سب خدائے لم یزل سے پوچھنا ہے ایک دن
مگر میں اس کی بارگاہِ عدل تک اکیلا کیسے جاؤں گا
مجھے کوئی گواہ چاہیے

☆☆☆

ایک نظم

کبھی کبھی مجھے سب کچھ فضول لگتا ہے
ہجومِ کوچہ و بازار ہو کہ تنہائی
گھنے درخت، حسیں، پھول، سبزۂ خوش رنگ
شفق مثال بدن، گرد میں اٹے چہرے
گزشتگاں کے صحیفے، بشارتوں کی کتاب
خزاں سے دست و گریباں نئی رتوں کے گلاب
میں سوچتا ہوں کسی چیز کو ثبات نہیں
مگر نمو کا عجب سلسلہ ہے یہ دنیا
ہر عہد جل کے بجھے گا اور اس کی راکھ سے پھر
نئی رتیں، نئے چہرے، نئے نئے منظر
مثالِ حلقۂ زنجیر بنتے جائیں گے
میں سوچتا ہوں کہ آئندہ میرے جسم کی خاک
نہ جانے کون سی شے کے نصیب میں ہو گی
مگر یقین ہے آئے گی جس کے حصے میں
اسے بھی میری طرح رنجِ رائیگاں ہو گا
کبھی بدن کا کبھی روح کا زیاں ہو گا

☆☆☆

دھنک جسم

اک دھنک جسم سے روشن ہے رات
میں بھی اس رات میں خالق کی مناجات کروں
اس دھنک جسم سے جی بھر کے ملاقات کروں
صبح پھر تازہ مسائل کے پلندے ہوں گے
منتشر سوچوں کا اک سیل گراں
میرے دروازے پہ کچھ دیر میں دستک دے گا
ادھ جلے خوابوں کی راکھ
صبح پھر آنکھ کی پتلی میں اتر جائے گا

☆☆☆

داستانی غزلیں

جو پشتِ مرکب پہ شاہ زادہ سوار ہوگا
اسی بیاباں میں ساحروں کا غبار ہوگا

ہے نے بجانے کو مضطرب موسیقار جادو
سنے گا آواز جو کوئی بے قرار ہوگا

یہ چاہتے ہیں کہ رن پڑے اور وہ بھی جلدی
ہم ایسے لوگوں سے کب تلک انتظار ہوگا

تصرفِ شاہ میں جو ہر رات آرہی ہیں
اب ان کنیزوں کا کس طرح سے شمار ہوگا

یہ گرد آقا فقط بگولا نہیں سمجھ لیں
ضرور پوشیدہ اس میں وہ شہسوار ہوگا

☆☆☆

طلسم شوق عدو کو ملے گوارہ نہیں
یہ جان دے کے بچانے کا ہم میں یارا نہیں

وہ جنگ ہوش ربا ہار کر یہ سوچتا ہے
اب آسمان پہ میرے کوئی ستارہ نہیں

بس ایک اسم طلسمات کے لیے ہے بہت
ہمارے پاس تباہی کا استعارہ نہیں

مرے چراغ ابھی مرحلوں میں روشن ہیں
میں جنگ ہار گیا ہوں جنوں تو ہارا نہیں

منادی روز یہ کی جائے سارے لشکر میں
عدو سے جو بھی ملے گا وہ پھر ہمارا نہیں

☆☆☆

شراب شہوت درجانگی ابھارتی ہے
زمین جنگ وجدل بھی مگر پکارتی ہے

غلام حجرۂ زنداں کو صاف کرتے ہیں
کوئی کنیز وہاں جھاڑتی بہارتی ہے

یہ دشت کم نظراں ہے یہاں تو خلق تمام
جو دیدہ ور ہے اسے پتھروں سے مارتی ہے

خطوط عشق کو پڑھنے کا ہے یہی دستور
اس آئینے میں وہ چہرہ کہاں سنوارتی ہے

گزر رہے ہیں وہ لشکر جنھیں گزرنا تھا
زمین چاہنے والوں سے جنگ ہارتی ہے

فصیل پر رخ مہتاب طاقچوں میں چراغ
شب فراق تو شہزادی ہی گزارتی ہے

☆☆☆

نہ شاہ زادیٔ کم فہم کی دہائی دے
وہی بتا مجھے جوکچھ تجھے دکھائی دے

میں اس طلسم میں محصور ہوں زمانے سے
وہ شاہزادہ ادھر آئے اور رہائی دے

کبھی تو میں بھی کسی آسمان پر پہنچوں
مجھے بھی صورتِ سیارگاں دکھائی دے

مرے چراغ کی لو میں ہزار چہرے ہیں
میں چاہتاہوں بس اک شکل ہی دکھائی دے

سوال وہم کا کوئی جواب تو ہوگا
صدا جوگونج رہی ہے اگر سنائی دے

☆☆☆

تمام دیوانے چوب دستیں اٹھائے نعرے لگا رہے تھے
تھی ان کے چہروں پہ ایسی وحشت غنیم سب تھرتھرا رہے تھے

عجیب و دلکش، حسیں مناظر سے دشت سارا بھرا پڑا تھا
طیور شاخوں پہ نغمہ زن تھے گلاب سب مسکرا رہے تھے

عجب طلسمی مقام تھا وہ جہاں انھوں نے لگائے خیمے
نہنگ دریا تڑپ رہے تھے، حباب آنکھیں دکھا رہے تھے

برائے فتاحی طلسماں تمام شہزادگانِ عالی
دکھوں کے جنگل میں اپنے اپنے نصیب کو آزما رہے تھے

کہیں طلائے پہ کوئی افسر کہیں کوئی بدنصیب ساحر
کچھ اپنی قسمت کو رو رہے تھے کچھ اپنی منزل کو پا رہے تھے

☆☆☆

جو لوحِ شوق کسی رت جگے سے پیدا ہو
تو دل چراغ ہر اک مرحلے سے پیدا ہو

دعا یہی ہے کہ اس دشتِ ہو میں شور اگے
یقیں کا نخل، گماں راستے سے پیدا ہو

شبِ ستم کہ شبِ انتظار گزرے گی
دعا کا دیپ اگر طاقچے سے پیدا ہو

حضورِ شاہ نہ جائے گی رائیگاں آواز
ملالِ ربط و تعلق، گلے سے پیدا ہو

مسافرانِ وفا کی بھی خواہشیں ہیں عجب
نویدِ منزلِ عشق، آبلے سے پیدا ہوا

☆☆☆

نہیں ہوں صرف ترا ہات دیکھنے والا
میں دشتِ و کوہِ طلسمات دیکھنے والا

ظہورِ صبح جنوں سے غروبِ شوق تلک
فقط یہ بندۂ بد ذات دیکھنے والا

نہلدتِ دل وجاں کیوں سمجھ نہیں سکتا
ہر ایک بات میں اک بات دیکھنے والا

نہ جانے کون سی منزل میں کام آئے گا
کہیں پہ صبح کہیں رات دیکھنے والا

مرا چراغ ہوا تیرے مرحلے میں خموش
میں اس دیئے سے تھا ظلمات دیکھنے والا

مرے خدا نے مجھے بھی عطا کیا ہے ہنر
سو میں نہیں تیری سوغات دیکھنے والا

☆☆☆

لکھا تو لوح میں یہ تھا مغائرت کی جائے
خیالِ شاہ میں آیا مباشرت کی جائے

جو اہلِ درد نہیں ہیں وہ سوچتے ہیں یہی
خراب عشق میں کیوں اپنی آخرت کی جائے

سوادِ کوہِ ندا بھی ہے شوق بھی ہے وہی
سو زندہ پھر سے وہ طرزِ معاشرت کی جائے

صعوبتوں کا بیاں کب زبان سے ہوگا
جدا بدن سے نہ گردِ مسافرت کی جائے

ہمیں بھی بجھنا ہے اپنے چراغ کی صورت
تو پھر اندھیروں سے کیسے مغائرت کی جائے

☆☆☆

قصر سے جینے کی آسانی چرا کر لے گیا
کوئی ساحر تاجِ سلطانی چرا کر لے گیا

ایک پنجہ آہنی، اترا فلک سے اور پھر
شہر جاں سے عشق ارزانی چرا کر لے گیا

العطش سب کہہ رہے ہیں پیاس کے مارے ہیں سب
کون دل دریاؤں کا پانی چرا کر لے گیا

اب تو ہم ہیں اور اک افسوس کرتا شہر ہے
کوئی ہر منظر کی تابانی چرا کر لے گیا

اجنبی تو وہ نہ ہوگا آشنا ہو یا نہ ہو
چیز جو اک جانی پہچانی چرا کر لے گیا

☆☆☆

وہ شاہ زادہ جو بے خواب وخور ہے زنداں میں
حضور اس کو بلائیں گے آج ایواں میں

ہمیں کو لوح ملے گی ہمیں کو تحفۂ تیغ
ہمارا نام لکھا ہے کتابِ امکاں میں

چلے تو ہو کسی تصویر پر فدا ہوکر
پہنچ سکو گے طلسمِ دیارِ جاناں میں

ہمیں مہم پہ کئی دوستوں نے بھیجا تھا
سو دن گزارتے ہیں ہم بھی یادِ یاراں میں

طلسم شوق کے رستے میں پیچ وخم کم ہیں
مگر نکلنے کی خواہش نہیں عزیزاں میں

شہہ طلسم کے سر سے کوئی اتارے تاج
کبھی تو ہو کوئی ہنگامہ اس کے ایواں میں

☆☆☆

شراب پی کر کباب کھا کر سرا کا پردہ گرا دیا تھا
نشے کے غلبے نے شاہِ دوراں کے دل سے سب کچھ بھلا دیا تھا

وہ ساحرہ بے بدل تھی اس نے جوان شہزادی بن کے شہہ کو
اسیرِ زلف سیہ کیا تھا اور اپنا جادو چلا دیا تھا

جمالِ جاناں کی دلکشی نے ، انارِ پستاں کی سرکشی نے
لب ودہن کی شگفتگی نے غلام شہہ کو بنا دیا تھا

جو زیرِ نافِ شکم لکھی تھی وہ داستاں شہہ نے کب پڑھی تھی
کسی کی لسانی سخن نے انہیں وہاں کا پتہ دیا تھا

وہ ناز نینانِ سیم بر تھیں، ہوائے ہجراں سے بے خبر تھیں
مگر جوانی کی مستیوں نے ہوس کا کوچہ دکھا دیا تھا

بھلا ہو عیار کاوہ آیا نجات کا راستہ دکھایا
امیر حمزہ کے وارثوں نے جنوں میں سب کچھ بھلا دیا تھا

☆☆☆

صاحبقراں بتلایئے لشکر کا عالم کیا ہوا
وہ حرز ہیکل کیا ہوئی وہ اسم اعظم کیا ہوا

کچھ پنجہ ہائے آہنی شہزادگاں کو لے گئے
یہ ماجرا اس دشت میں اے بختِ برہم کیا ہوا

وہ منقلِ آتش کہ جو روشن تھی پیش ساحرہ
کیسے اچانک بجھ گئی شعلوں کا موسم کیا ہوا

جب ساحرِ سفاک کی گردن کٹے تو پوچھنا
کیوں آگ ٹھنڈی ہوگئی قعر جہنم کیا ہوا

ہاتھوں سے نیزے گر گئے سارے سپاہی ڈر گئے
کل فوج کے پاؤں ہٹے اک پہلواں کم کیا ہوا

☆☆☆

تیغۂ دھار دار کھول دیا
دشت میں کارزار کھول دیا

فوج نے خطۂ نگاریں میں
علم زر نگار کھول دیا

کس نے سوتے سپاہیوں کی طرف
ناقۂ بے مہار کھول دیا

کس کو اغیار نے کیا بے ہوش
کس کی گردن سے ہار کھول دیا

رازِ بربادئ طلسم اس نے
وقتِ بوس و کنار کھول دیا

شہ نے جب دیکھ کر نہ کی تعریف
سب بناؤ سنگھار کھول دیا

ساحرہ کے بدن میں گرمی تھی
لیٹتے ہی ازار کھول دیا

اک قوی تن جوان نے اس کے
جسم کا تار تار کھول دیا

☆☆☆

طلسم بدلا نہ لوح طلسم ہی بدلی
نہ جاں نثاروں رفیقوں کی قسم ہی بدلی

عدوئے جاں کے ملے سوختہ بدن سارے
شہ زماں نے قبائے طلسم ہی بدلی

دلوں کو لوح طلسمی کے مس سے کچھ نہ ہوا
خوشا کہ چہرہ زشتی کی قسم ہی بدلی

بدن پہ میرے بہت تنگ تھا یہ پیراہن
صدائے غیب نے دیوار جسم ہی بدلی

پرانے وقتوں سے منسوب ہم بھی تھے تم بھی
نہ لوح بدلی نہ وہ شرح اسم ہی بدلی

جب ایک جسم جلا دوسرے میں جا پہنچی
وہ روح بد تھی فقط قیدِ جسم ہی بدلی

☆☆☆

حجرۂ ہفت بلا پھر کھولے
کوئی جیالا ہو تو بولے

صبح سویرے باتیں کرنا
رات پڑی ہے سو لے سو لے

منہ دھونے کو عمر پڑی ہے
زنگ آلودہ تیغ تو دھو لے

کل کس نے دیکھا ہے صاحب
جو ہونا ہے آج ہی ہو لے

عیاروں نے تیر چلائے
باطل آقا کچھ بھی نہ بولے

کوئی بھی عیار نہیں اب
جیبیں جو لاشوں کی ٹٹولے

عظمت و شوکت، دولت ونصرت
باقی کون بچا ہے بولے

چلنے والے چل دیتے ہیں
کوچ کے جب اٹھتے ہیں ڈولے

گئے دنوں کی باتیں کرکے
پھوڑ رہے ہیں دل کے پھپھولے

***

وہ خوک پیکر یہاں بھی آئے گا داغ لے کر
سو پشت بانی کو ہم کھڑے ہیں چراغ لے کر

خدا ہی ان ساحروں سے اب لوح کو بچائے
وہ شاہزادے کو آگئے تابہ باغ لے کر

انار پستاں، شراب شہوت، کمال حیرت
کنیز مہ رو کھڑی ہوئی ہے ایاغ لے کر

ضعیف و مجروح لشکری، لشکر عدو کے
یہ سوچتے ہیں کہ کیا کریں گے فراغ لے کر

نہ جانے کیا مصلحت تھی یا معرفت کہ صاحب
وہ ہیزم خشک دے گیا سبز باغ لے کر

مری شمائل کہ حور پیکر کہاں سے آیا
گیا کدھر کو ہمارا دل اور دماغ لے کر

☆☆☆

پہیلیوں اور قراولوں کو وہ لے کے بہر شکار نکلے
کہ طبلِ جنگی بجے نہ جب تک تو کیسے دل کا غبار نکلے

جو دامنِ گرد ہٹ گیا تو نشانِ لشکر ہوئے ہویدا
جنہیں عدو ہم سمجھ رہے تھے وہ سب ہمارے ہی یار نکلے

کبھی شکار پرند کھیلا کبھی فقط آہوؤں کو گھیرا
ارلبۂ کشتگاں سجا کر کہاں کہاں شہر یار نکلے

ہرن جو دھانوں میں چر رہے تھے جدھر سے مرکب گزر رہے تھے
قریب پہنچے تو شہ نے دیکھا وہ سب نظر کا غبار نکلے

اک آہوئے زخم خوردہ آیا سو تیر سے شاہ نے گرایا
ٹہل رہے ہیں کہ اس کے دعوے کو اب کوئی شہسوار نکلے

وہ شاہزادہ دغا کو آیا سو جوہر تیغ آزمایا
جب ایک زنگی نے سر کٹایا لہو سے اس کے ہزار نکلے

☆☆☆

تمام مرکب تمام افسر رکے ہوئے تھے
کہ سحر جادو گروں کے سارے چلے ہوئے تھے

طلسم کو توڑنا تھا جن کے نصیب لکھا
وہ وصل کی شب کے بعد کافی تھکے ہوئے تھے

نہ سحر ساحر نہ گرز و نیزہ سے خوف کھایا
سو پشت مرکب پہ جاں نثاراں ڈٹے ہوئے تھے

وہ شاہزادی تو اب غنیموں سے مل گئی ہے
وصال کے واسطے جسے تم چنے ہوئے تھے

طلسم کی لوح طاق میں مسکرا رہی تھی
اور اس پہ نقش و نگار دلکش بنے ہوئے تھے

اب آفتاب فنا سے کیسے پگھل گئے ہیں
وہ بت خدائے طلسم کے جو رکھے ہوئے تھے

دیا نہ عمرو کو حق محنت تو بعد حجت
سفید جسماں، سیاہ رنگوں، رنگے ہوئے تھے

☆☆☆

سراپچہ چاک کرکے عیار بھاگتا ہے
اوراس کے پیچھے سپاہ سالار بھاگتا ہے

نہ ساحروں سے نہ غیر ساحر سے رک سکے گا
دوندۂ بے بدل لگاتار بھاگتا ہے

نگاہِ شہ سے جہاں وہ آہو نہاں ہوا تھا
اسی طرف آج تک یہ رہوار بھاگتا ہے

گلیم اوڑھے نظر سے مخفی کھڑا ہے عمرو
تلاش میں ساحروں کا سردار بھاگتا ہے

نہ اس کے گوپھن سے بچ سکے گا یہ رکے گا
کدھر کو اب تو اے پیک مکار بھاگتا ہے

تمام زیور تمام نقدی یہیں پہ رکھدے
کہاں تو اے برق وش طرحدار بھاگتا ہے

☆☆☆

جن سے بچنا چاہتا تھا پھر وہ جادہ آ گیا
زیرِ دیوارِ طلسمی شاہزادہ آ گیا

دشتِ حیرت کے بگولے رقص میں بھولے ہوئے
کون کرنے کو جنوں کا پھر اعادہ آ گیا

تنگ و تیرہ غار سے حاصل ہوئی جب لوحِ شوق
پھر نظر کے سامنے دشتِ کشادہ آ گیا

غل ہوا ایوانِ شاہی میں کہ عزت کو بچاؤ
آتشِ دربار میں اک خاک زادہ آ گیا

شاہ نے جب جاگنا چاہا خمارِ خواب سے
دستِ عنبر بیز لے کر جام و بادہ آ گیا

داستانِ وحشت و عبرت میں کتنے باب ہیں
جب بھی سوچا سامنے حرفِ زیادہ آ گیا

☆☆☆

ورائے شعر

(۱۹۹۲ء سے مارچ ۲۰۰۳ء تک)

جو لوگ آج نمایاں ہیں کل کہاں ہوں گے
ہمارا کیا ہے جو پس منظروں میں رہ جائیں
ورائے شعر بھی اک بات شعر میں آ جائے
نہ استعاروں میں نے پیکروں میں رہ جائیں

نئے ہزارے میں آگئے ہیں
کہ ہم خسارے میں آگئے ہیں

چلے تھے کس آسماں کی جانب
یہ کس ستارے میں آگئے ہیں

ہزارہا انقلابِ دنیا
اک استعارے میں آگئے ہیں

سخن کے سب رنگ اس نظر کے
بس اک اشارے میں آگئے ہیں

دلوں میں جو درد سو رہے تھے
وہ اب نظارے میں آگئے ہیں

نفاق و نفرت کہ علم و حکمت
سب ایک دھارے میں آگئے ہیں

ترے قصیدے میں لفظ دوچار
عدو کے بارے میں آگئے ہیں

☆☆☆

پھولوں میں رنگ ہے مرے اشعار کی طرح
میری غزل، درختِ ثمر دار کی طرح

آنکھوں کو کیا ہوا ہے، نظر آ رہے ہیں کیوں
بازو بریدہ لوگ بھی تلوار کی طرح

کیا بات ہے چراغ ہواؤں کے خوف سے
کیوں سائیں سائیں کرتے ہیں اشجار کی طرح

یادوں کے خار و خس سے اٹی ہے زمیں تمام
دل ہے کسی عمارتِ مسمار کی طرح

جس سے نواحِ جاں میں عجب روشنی ہوئی
وہ پیار تھا کہ تھی کوئی شے پیار کی طرح

شیشے میں ساعتوں کے رواں، ریت وقت کی
موسم تمام خواب کے اظہار کی طرح

☆☆☆

اک ربطِ جنوں ہے کہ جسے کم نہیں ہونا
اس لو کو کسی شرط پہ مدھم نہیں ہونا

گل چہرہ سبھی گیسو بریدہ ہوئے صاحب
اب زلف کسی شانے پہ برہم نہیں ہونا

دیدار کے بدلے میں چلی جائیں گی آنکھیں
اک بار ہی ہونا ہے یہ پیہم نہیں ہونا

اب شوق کے ساون نہیں آئیں گے پلٹ کر
بوندیں تو پڑیں گی یہ وہ موسم نہیں ہونا

ہم کرتے ہیں کیوں بخیہ گری عشق وہوس کی
یہ کارِ عبث کارِ بریشم نہیں ہونا

☆☆☆

جو نور و ظلمتِ دنیا کااستعارہ بنائے
مجھے چراغ تجھے روشنی دوبارہ بنائے

سب اپنے اپنے علاقوں کی فکر میں گم ہیں
کوئی نہیں جو رہِ رفتگاں دوبارہ بنائے

مجھے جہاں سے سوا جس نے بے قراری دی
اب آسمان پہ اپنے نیا ستارہ بنائے

وہ پھینک دے مجھے اک بے کنار صحرا میں
اوراس کے بعد مرے سر پہ ابر پارہ بنائے

وہ جس نے سخت بنایا ہے آسماں کا مزاج
اسے کہو کہ زمینیں تو کچھ گوارہ بنائے

سب اپنے اپنے مداروں سے ہٹ چکے ہیں بہت
سو اب خدا صفِ سیارگاں دوبارہ بنائے
☆☆☆

خواب بچوں کی محبت سے زیادہ تو نہیں
دیکھ سکتا ہوں مگر عزم و ارادہ تو نہیں

میں تجھے کیسے ملوں کیسے پکڑ پائے تو
تیری باہیں مرے دل جیسی کشادہ تو نہیں

میں تو جیسا ہوں نظر آتا ہوں سب کو ویسا
تو جو ہے شاہ نما، شاہ کازادہ تو نہیں

سب اس امید میں زندہ ہیں کہ پائندہ ہوں
صرف مجبوری ہے مرنے کا ارادہ تو نہیں

مجھ پہ احسان وستم دونوں برابر اس کے
میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ زیادہ تو نہیں

شعر سب لکھتے ہیں در حاشیۂ گم شدگاں
پر شگفتِ گلِ بادام اعادہ تو نہیں

☆☆☆

وقت اک دریا ہے، دریا سب بہالے جائے گا
ہم مگر تنکے ہیں، ہم تنکوں سے کیالے جائے گا

اک عجب آشوب ہے کیوں بستیوں میں جلوہ گر
کیا یہ ہر انسان سے خوفِ خدالے جائے گا

ہے تو خورشید حقیقت پر بڑا بے مہر ہے
دل سے جذبے آنکھ سے آنسو چرا لے جائے گا

بوریے پر بیٹھنے کالطف ہی کچھ اور ہے
شہر یارِ عصر اس تکیے سے کیا لے جائے گا

ہر گزر گاہِ تمنا پر بہت سی گرد ہے
لیکن اس کوایک ہی جھونکااڑالے جائے گا

عافیت کے دائروں میں یار سارے بند ہیں
کوئی موسم، کوئی طوفاں اس سے کیا لے جائے گا

☆☆☆

ہم اہل دل ہیں نہ جانے کدھر چلے جائیں
ہمارا کیا ہے کہ کس راہ پر چلے جائیں

اب ان پرندوں کے بارے میں کیا کہیں جن کے
اڑان بھرنے کی کوشش میں پر چلے جائیں

کچھ آنے والوں کی عبرت کو چھوڑ دیں منظر
ہم اب اداس نہ ہوں اور گھر چلے جائیں

تمام ہوگئی مجلس چراغِ چشم کے ساتھ
سو اب گھروں کو سبھی نوحہ گر چلے جائیں

ستارہ تاب بھی ہیں، خانماں خراب بھی ہیں
عذاب در بدری ہم کدھر چلے جائیں

جہاں سے سب کا گزر سرسری تو ہو لیکن
برا بھی کیا ہے اگر دیکھ کر چلے جائیں

وہ رت نہ آئے کہ جس کی ہوا کے جھونکوں سے
ہر ایک شخص کے عیب و ہنر چلے جائیں

☆☆☆

ابھی ہوس کے ہزاروں بہانے زندہ ہیں
نئی رتوں میں شجر سب پرانے زندہ ہیں

فضائے مہر و محبت کی داغداری کو
دھواں اگلتے ہوئے کارخانے زندہ ہیں

مجاورانِ تمنا تو مر گئے کب کے
درونِ جسم کئی آستانے زندہ ہیں

جواز کوئی نہیں ہجرتوں سے بچنے کا
ہم اس دیار میں کس کے بہانے زندہ ہیں

عجب طلسم ہے جنگل کے ان درختوں کا
پرندے مر بھی چکے آشیانے زندہ ہیں

کھدائیوں میں ملے گا گدائے عشق کا تاج
سرزمیں تو ہوس کے زمانے زندہ ہیں

☆☆☆

سیاہ رات سے ہم روشنی بناتے ہیں
پرانی بات کو اکثر نئی بناتے ہیں

کل ایک بچے نے ہم سے کہا بناؤ گھر
سو ہم نے کہہ دیا ٹھہرو ابھی بناتے ہیں

ہم ایک اور ہی منظر کی تاک میں ہیں میاں
یہ دھوپ چھاؤں کے نقشے سبھی بناتے ہیں

مصورانِ فنا اپنے کینوس پہ کبھی
نہ کوئی شہر نہ کوئی گلی بناتے ہیں

ہم اس دیار میں زندہ ہیں جس کے سارے لوگ
کبھی قتیلہ کبھی لیلیٰ بناتے ہیں

☆☆☆

تم کو تو فقط روپ بدلتے ہوئے رہنا
اک آگ ہے جس میں ہمیں جلتے ہوئے رہنا

آسانی سے ہم راس نہیں آتے ہیں سب کو
جس بزم میں رہنا ہے سو کھلتے ہوئے رہنا

گر سارا زیاں صرف جبلت کے سبب ہے
تو شمع کی مانند پگھلتے ہوئے رہنا

ہم اور ہی مٹی کے بنے تھے سو نہ آیا
سانچوں میں ہر اک دور کے ڈھلتے ہوئے رہنا

یہ زیروبم وقت ہے اس تھاپ پہ سب کو
گرتے ہوئے رہنا ہے سنبھلتے ہوئے رہنا

اس دشتِ ضرورت سے نکلنا ہے تو صاحب
جذبات کے سانچوں کو کچلتے ہوئے رہنا

☆☆☆

شب سیاہ سے جو استفادہ کرتے ہیں
وہی چراغوں کا ماتم زیادہ کرتے ہیں

دلوں کا درد کہاں جام میں اترتا ہے
حریفِ وقت کو ہم غرقِ بادہ کرتے ہیں

پرانی تلخیاں دامن بہت پکڑتی ہیں
کبھی نیا جو کوئی ہم ارادہ کرتے ہیں

پڑی تھی دل کی زمیں جانے کب سے بے مصرف
اب اس میں یادوں کے بت ایستادہ کرتے ہیں

عجیب دور ہے یہ جس میں سارے دانشور
دلوں کو تنگ مکاں کو کشادہ کرتے ہیں

یہ آسمانِ وطن کیوں ردا ہماری ہے
ہم اس زمین کو کیسے لبادہ کرتے ہیں

☆☆☆

ہر ایک نخلِ ضرورت نشانہ میرا ہے
زمیں کسی کی ہو لیکن زمانہ میرا ہے

ان آئنوں میں اگر عکس غیر ہے تو کیا
اسی میں خوش ہوں کہ آئینہ خانہ میرا ہے

میں عشق ہوں مجھے دل چاہئے کوئی بے چین
وہی تو سب سے پرانا ٹھکانا میرا ہے

شجر بھی سوکھ چکا ہے ہوا بھی روٹھ چکی
میں کیا کروں کہ ادھر آشیانہ میرا ہے

دنوں کی دھوپ نے کوشش تو کی جلانے کی
میں بچ گیا ہوں کہ شغلِ شبانہ میرا ہے

☆☆☆

وہ شاہزادیٔ روشن قبا ادھر آئے
یہ آرزو ہے کہ تازہ ہوا ادھر آئے

پھر اس بدن کے سمندر میں کوئی لہر اٹھے
پھر ایک بار وہ موجِ بلا ادھر آئے

کوئی شریک تو ہو میری وحشتوں کا بھی
غزال جست لگاتا ہوا ادھر آئے

جنوں کے پھول سرِ شاخِ جاں لرزتے ہیں
نہ جانے کب کوئی موجِ فنا ادھر آئے

عجیب طلعتِ مہتاب ہے کہو اس سے
چراغ لو کو چھپاتا ہوا ادھر آئے

یزیدِ عصر کہیں راستے میں مر جائے
خدا کرے نہ کوئی کربلا ادھر آئے

☆☆☆

زمیں سے خلا کی طرف جاؤں گا
وہاں سے خدا کی طرف جاؤں گا

بخارا و بغداد و بصرہ کے بعد
کسی کربلا کی طرف جاؤں گا

چمن سے بلاوا بہت ہے مگر
میں دشتِ بلا کی طرف جاؤں گا

چمکتا دمکتا نگر چھوڑ کر
پھر اس بے وفا کی طرف جاؤں گا

رفاقت کی راہوں میں کچھ بھی نہیں
یہاں سے جفا کی طرف جاؤں گا

بدن کا مقدر ہے لا حاصلی!
میں ذہنِ رسا کی طرف جاؤں گا

اگر میں نہ آغاز میں مر گیا
تو پھر انتہا کی طرف جاؤں گا

چراغ آرزو کے جلا کر کئی
سفیر ہوا کی طرف جاؤں گا

☆☆☆

جہاں میں ہوتا ہے کیا کیا مری رضا کے خلاف
سو میں بھی رہتا ہوں یارانِ سلسلہ کے خلاف

محاذ کھول دیا ہے مہیب شعلوں نے
ہتھیلیوں پہ دہکتی ہوئی حنا کے خلاف

چراغ کیوں نہ بجھیں کس لیے اندھیرا نہ ہو
مرے علاوہ کوئی بھی نہیں ہوا کے خلاف

چمک رہی ہے وہ آتش بھی ابر پاروں میں
جسے زمیں پر اترنا ہے مدعا کے خلاف

عجیب دور ہے آنکھوں کا اعتبار نہیں
خدا پرست بھی لگتے ہیں اب خدا کے خلاف

یہ لوگ کون ہیں کیا چاہتے ہیں پوچھا جائے
نہ ابتدا کے ہیں قائل نہ انتہا کے خلاف

کسی کے در پہ صدا کس طرح لگائے وہ
سگانِ کوچہ و بازار ہیں گدا کے خلاف

میں آ گیا ہوں یہ کس اجنبی ستارے میں
یہاں تمام مناظر ہیں چشم وا کے خلاف

☆☆☆

میری رسوائی کے اسباب ہیں میرے اندر
آدمی ہوں سو بہت خواب ہیں میرے اندر

میرے باہر نظر آئے گی تجھے خاک ہی خاک
کئی جگنو کئی مہتاب ہیں میرے اندر

وہ بہاریں جو سرِ سطحِ زمیں ختم ہوئیں
دیکھ لے آج بھی شاداب ہیں میرے اندر

مجھ کو صحرا نہ سمجھ اور مرے ظاہر پہ نہ جا
کئی دریا کئی تالاب ہیں میرے اندر

میکدے تک مجھے جانے کی ضرورت کیا ہے
ہم نشینانِ مئے ناب ہیں میرے اندر

مجھ کو مرنے سے بچا تو نہیں سکتے جاناں
زندہ رہنے کے جو اسباب ہیں میرے اندر

سیر کر تو بھی یہ مجموعہ پریشانی کا
مجھ سے بچھڑے ہوئے احباب ہیں میرے اندر

☆☆☆

نہ عیش کی نہ خزانے کی دھن میں رہتا ہوں
وہ کیا ہے میں جسے پانے کی دھن میں رہتا ہوں

بہت خراب ہے دنیا مگر یہاں میں بھی
بس ایک اچھے زمانے کی دھن میں رہتا ہوں

جلی ہے جس کی وجہ سے دکاں کتابوں کی
وہی کتاب بچانے کی دھن میں رہتا ہوں

وہ بے چراغ حویلی جہاں تھے گل چہرے
وہاں میں پھول کھلانے کی دھن میں رہتا ہوں

نگاہ جس سے نہ وابستگاں کی نیچی ہو
بس اتنا رزق کمانے کی دھن میں رہتا ہوں

مرے سوا جو کسی کو نظر نہیں آئے
اک ایسے آئنہ خانے کی دھن میں رہتا ہوں

یہ لوگ کیوں مری آوارگی سے شاکی ہیں
میں اپنے خواب بچانے کی دھن میں رہتا ہوں

☆☆☆

بدن میں شور مچا یا لہو میں پھول کھلا
کھلا سکے تو کسی دشتِ ہو میں پھول کھلا

ہے اس جہاں سے گزرنے کے بعد لا محدود
ابھی تو صرف یہیں چار سو میں پھول کھلا

کوئی زمین جو بنجر ہو میرے دل کی طرح
تجھے ملے تو وہاں جا کے لو میں پھول کھلا

شرابِ ناب ہے احباب کو بھی یکجا کر
حدودِ کاسہ، نواحِ کدو میں پھول کھلا

نہ جانے کون سی مٹی کا آدمی ہے وہ
جو کہہ رہا ہے گلِ بے نمو میں پھول کھلا

زمیں کا قرض چکائے کہ رنگ وخوشبو کا
میانِ معرکہ رنگ وبو میں پھول کھلا

دل و نگاہ میں افسردگی اتر آئی
کبھی جو دیکھا ہے دستِ عدو میں پھول کھلا

بساطِ انجم ومہتاب بجھنے والی ہے
یہی تو وقت ہے اٹھ کر سبو میں پھول کھلا

☆☆☆

ہم اہلِ دل تھے سو ہم نے زمیں پہ پھول کھلائے
کہ جس جگہ بھی گئے بس وہیں پہ پھول کھلائے

مہک اٹھے گی یہ دنیا تمام خوشبو سے
اسی امید پہ بس اس یقیں پہ پھول کھلائے

قلندراں تو عجب ہیں نہ ان کی پوچھو کچھ
کہیں پہ خاک اڑائی کہیں پہ پھول کھلائے

یہ نخلِ درد، فروزاں چراغ کی صورت
لرزتا رہتا ہے شاخِ حزیں پہ پھول کھلائے

ہمارا دل جو ہے تالاب کی طرح جاناں
کس انتظار میں سطحِ حسیں پہ پھول کھلائے

جلالِ یار کو بوسوں سے کردیا پامال
ہمیں ہیں جس نے رخِ آتشیں پہ پھول کھلائے

اڑی چہار طرف اشتہا کی تیز مہک
توے کی لمس نے نانِ جویں پہ پھول کھلائے

ہوائے دہر ہے نامہرباں مگر لڑکی
ترا خدا تری اجلی جبیں پہ پھول کھلائے

☆☆☆

خاک تو ہم بھی ہر اک دشت کی چھانے ہوئے ہیں
کچھ نیا کرنے کی کوشش میں پرانے ہوئے ہیں

سبز موسم کا پتہ جن سے ملا کرتا تھا
تیرہ بختوں کے وہی شہر ٹھکانے ہوئے ہیں

خانۂ دل میں ابھی تک ہیں وہی لوگ آباد
جن کو اوجھل ہوئے آنکھوں سے زمانے ہوئے ہیں

تیر شاخوں میں ہیں پیوست پرندوں میں نہیں
کس شکاری کے خطا اتنے نشانے ہوئے ہیں

آب و گل ہی کا کرشمہ لب و رخسار بھی ہیں
ایسی کیا بات ہے کیوں آپ دِوانے ہوئے ہیں

روز مت مانگیے مٹی کی محبت کا ثبوت
ہم تو یہ جسم اسی خاک کا جانے ہوئے ہیں

شعر بھی لکھتا ہوں اور گھر بھی چلاتا ہوں جناب
کب کسی بوجھ کے شاکی مرے شانے ہوئے ہیں

☆☆☆

چاروں جانب مرے آنکھیں ہیں اشارے نہیں ہیں
ایک انبوہ ہے رستوں پہ نظارے نہیں ہیں

دل پہ لکھ رکھے ہیں تھی ان کی جگہ صاف وہیں
ہم نے کاغذ پہ کئی شعر اتارے نہیں ہیں

ٹمٹماتے تھے سدا ہجر زدوں کی صورت
آسماں تجھ پہ مگر اب وہ ستارے نہیں ہیں

تم ہوس بیچتے ہو عشق کے داموں یارو
یہ تجارت ہے تو پھر اس میں خسارے نہیں ہیں

کیوں گلہ کرتے ہو ان اہلِ شکم کا صاحب
یہ ہمارے بھی کہاں تھے جو تمہارے نہیں ہیں

مر گئے ہم تو ہمیں قبر میں دفنانے کو
یار دوچار ہی آپائے ہیں سارے نہیں ہیں

☆☆☆

سجے سجائے ہوئے سبز منظروں سے نہ جائیں
خدا کرے کہ یہ دریا کبھی گھروں سے نہ جائیں

بنامِ عشق وہوس کچھ نہ کچھ رہے روشن
کچھ ایسا ہو کہ یہ سودے کبھی سروں سے نہ جائیں

فضائے دشتِ طرب ناک کو دوام ملے
گلاب خوشبو سے اور تتلیاں پروں سے نہ جائیں

ضرورتوں کو زیادہ نہ کر خدائے کریم
نکل کے پاؤں بہت دور چادروں سے نہ جائیں

حروف ونطق کی ہر انجمن میں رونق ہو
خیال روٹھ کے ہر گز سخنوروں سے نہ جائیں

اسی طرح صفِ سیارگاں رہے قائم
نجوم وماہ الگ اپنے محوروں سے نہ جائیں

امیرِ عصر سے فریاد کرنا چاہتے ہیں
سروں کو پھوڑنے یہ لوگ پتھروں سے نہ جائیں

☆☆☆

میں جزیرہ ہوں تو آباد کیا جائے مجھے
یا سمندر ہی کا ہمزاد کیا جائے مجھے

کب تلک بھٹکوں میں اے مرشدِ کامل مرے دل
شاملِ حلقۂ ارشاد کیا جائے مجھے

بادشاہوں کو امیروں نہ وزیروں کی کمی
میں پیادہ ہوں سو کیوں یاد کیا جائے مجھے

ٹوٹتے گرتے مکاں دیکھنے والوں سے کہو
میں وہ پتھر ہوں کہ بنیاد کیا جائے مجھے

نہیں مصرف مرا کوئی تو ملے کنجِ عدم
میں ضرورت ہوں تو ایجاد کیا جائے مجھے

اور کب تک رہوں تاریک ستارے کا غلام
میں ترا نور ہوں آزاد کیا جائے مجھے

آدمی ہوں سو یہی چاہتا ہوں سب کی طرح
کبھی شاداں کبھی ناشاد کیا جائے مجھے

☆☆☆

میری نفرت بھی ہے شعروں میں مرے پیار کے ساتھ
میں نے لکھی ہے غزل جرات اظہار کے ساتھ

اقتدار ایک طرف ایک طرف درویشی
دونوں چیزیں نہیں رہ سکتی ہیں فنکار کے ساتھ

اک خلا دل میں بہت دن سے مکیں ہے اب تو
یاد گزرا ہوا موسم بھی نہیں یار کے ساتھ

بادبانوں سے الجھتی ہے ہوا روز مگر
کشتیاں سوئی ہیں کس شان سے پتوار کے ساتھ

شہر میں جہل کی ارزانی ہے لیکن اب تک
میں ہی سمجھوتہ نہیں کرتا ہوں معیار کے ساتھ

میرے اشعار ہیں ناقد کے لیے کچھ بھی نہیں
درد کو میں نہیں لکھتا کبھی دشوار کے ساتھ

☆☆☆

بساطِ خاک پہ ہنگامۂ رواں میں کہیں
کوئی غنیم نہ شامل ہو کارواں میں کہیں

نوادرات کی صورت پڑا ہے مدت سے
ترا خیال کسی گنجِ شائگاں میں کہیں

نظر بھی آتا نہیں ہے گماں بھی جاتا نہیں
گلِ حنا تو نہیں دستِ مہرباں میں کہیں

کسی مسافر بخت آزما کی صورت دل
بھٹک رہا ہے ابھی شہر بے اماں میں کہیں

اداس لوگوں کا احوال پوچھتے کیوں ہو
گلاب کھلتے ہیں کیا موسمِ خزاں میں کہیں

فروغ عمر کے آثار ہیں نظر کا فریب
کمی کب آئی ہے تجھ جیسے نوجواں میں کہیں

☆☆☆

ملال عمرِ گریزاں کا کرتے رہتے ہیں
یہ لوگ زندہ نہیں روز مرتے رہتے ہیں

ہوس کا زور کسی طور کم نہیں ہوتا
قناعتوں کے گھروندے بکھرتے رہتے ہیں

دیے بجھانا گرانا گلوں کو شاخوں سے
ہوا کے ہاتھ سدا کام کرتے رہتے ہیں

یہ دل گئے ہوئے لوگوں کی یاد سے روشن
اس آئینے میں بہت عکس ابھرتے رہتے ہیں

کسی تسلسل زنجیر کے سوا کیا ہیں
جو لوگ روز نظر سے گزرتے رہتے ہیں

گلی میں گھوم رہے ہیں فراق کے آسیب
مکان بند کیے ہم بھی ڈرتے رہتے ہیں

کسی بھی خواب کی تکمیل غیر ممکن ہے
جو کام ہو نہیں سکتا وہ کرتے رہتے ہیں

☆☆☆

ہوس کا سب سے پرانا ستارہ کون سا ہے
مرے چراغ ترا استعارہ کون سا ہے

ادھر ادھر کئی پرچے پڑے ہوئے ہیں یہاں
مرے جنوں کا مگر گوشوارہ کون سا ہے

اس آفتاب کی چھب دیکھ کر بھی زندہ ہیں
بس آنکھیں جاتی رہی ہیں خسارہ کون سا ہے

یہ انجمن تو ہمہ آفتاب لگتی ہے
سو کیا کہیں کہ یہاں ماہ پارہ کون سا ہے

خدنگِ عشق، کمان ہوس، بیان وصال
مجھے بتا تجھے منظر گوارہ کون سا ہے

جگہ جگہ کئی اثبات اور اک انکار
سمجھ میں کچھ نہیں آتا اشارہ کون سا ہے

جہاں میں آنا کہ آکر فقط گزر جانا
ذرا بتاؤ عزیزو کنارہ کون سا ہے

☆☆☆

ہوا، ہوس کے علاقے دکھا رہی ہے مجھے
گلِ گناہ کی خوشبو بلا رہی ہے مجھے

ابھی نہ جاؤں گا میں دوسرے ستارے پر
کہ یہ زمین بہت راس آ رہی ہے مجھے

چراغ بھی مرا چہرہ ہے شب بھی میرا وجود
تمہاری کم نگہی آزما رہی ہے مجھے

گیاہِ عشق بھی میری گلِ ہوس بھی مرے
تو کیوں زمین تماشہ بنا رہی ہے مجھے

سیاہ رات سے ڈرنا تو اک روایت ہے
مرے چراغ کی لو تک ڈرا رہی ہے مجھے

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ یہ ہوائے بہار
جلا رہی ہے مجھے یا بجھا رہی ہے مجھے

کھنچی ہوئی ہے فلک پر دھویں کی ایک لکیر
گزشتہ شب کی چمک یاد آ رہی ہے مجھے

☆☆☆

احباب گلاب سے بنے ہیں
ہم خاکِ خراب سے بنے ہیں

کچھ اہل کتاب بن کے آئے
کچھ لوگ کتاب سے بنے ہیں

قصبوں میں مکاں تھے جن کے بے ڈھب
شہروں میں حساب سے بنے ہیں

کچھ نقش و نگار لوحِ دل پر
اک شخص کے خواب سے بنے ہیں

اس شوخ کی بے شکن جبیں پر
کیا نقش جواب سے بنے ہیں

یہ پھول بدن یہ چاند چہرے
کیاموجِ شراب سے بنے ہیں

آنکھوں کی جگہ ہیں دوستارے
ہونٹوں پہ گلاب سے بنے ہیں

☆☆☆

عشق میں ہجر کے صدمے بھی اٹھائے نہیں ہیں
اپنی مرضی سے تو ہم دشت میں آئے نہیں ہیں

اپنا کاسہ بھی تہی اپنا کدو بھی خالی
داغِ دیدار وہوس دل پہ لگائے نہیں ہیں

ہم سے مایوس نہ ہو شمع شبستان خیال
ہم ابھی خاک کے سینے میں سمائے نہیں ہیں

اب کسی سمت سے خوشبو نہیں آتی ہم تک
کاغذی پھول بھی طاقوں میں سجائے نہیں ہیں

اک دکاں کھول کے بازار کا رخ دیکھنا ہے
ابھی آئین تجارت کے بنائے نہیں ہیں

حرمتِ حرف کی تفسیر بتانے والو
ہم کسی اورستارے سے تو آئے نہیں ہیں

☆☆☆

نہ رفتگاں سے نہ آیندگاں سے رشتہ ہے
ہمارا کیا ہے کہ وہم و گماں سے رشتہ ہے

بس اپنے آپ سے ملنے کی فرصتیں کم ہیں
وگرنہ آج بھی سارے جہاں سے رشتہ ہے

کسی قدیم قبیلے کی وحشتوں کے سوا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہاں سے رشتہ ہے

یہ آب وگل کے کرشمے، محیطِ عشق وہوس
کہاں سے آئے ہیں کس جانِ جاں سے رشتہ ہے

کتاب ہوش میں پیوست ہوگیا ہے جو
یہ کس کا تیر ہے کس کی کماں سے رشتہ ہے

ہرے بھرے مرے موسم لٹے پڑے مرے شہر
سو اس طرح سے بہارو خزاں سے رشتہ ہے

بجھے ہوئے ہیں دیئے اورالٹ چکی ہے بساط
عجیب خواب ہے اس کا کہاں سے رشتہ ہے

☆☆☆

سمجھتے ہم تھے کہ آنکھیں ہیں خواب دیکھنے کو
پتہ چلا کہ ملی ہیں عذاب دیکھنے کو

بہت عجب ہے یہ دل، چاہتا ہی رہتا ہے
کبھی تجھے کبھی خود کو خراب دیکھنے کو

عجیب شوق تھا آنکھیں بجھا کے بیٹھ گئے
گھروں سے نکلے تھے ہم آفتاب دیکھنے کو

تماشہ گاہِ خس وخار میں سب ایک سا ہے
بدیر دیکھنے کو یا شتاب دیکھنے کو

یہ دیکھنا ہے کہ کس حال میں پلٹتے ہیں
جو چل رہے ہیں شبِ ماہتاب دیکھنے کو

تو خواب دیکھ سکے بس یہی غنیمت ہے
بہت سے لوگ ہیں تعبیر خواب دیکھنے کو

☆☆☆

اب تک ان آنسوؤں کا نمک کم نہیں ہوا
یہ نخلِ گریہ ناک ابھی خم نہیں ہوا

مجھ کو پتہ تھا اس کا وطیرہ ہے برہمی
میں یارِ بد لحاظ سے برہم نہیں ہوا

ہر بھیڑ میں شریک رہا پھر بھی جانِ من
تیری طرح ہجوم میں مدغم نہیں ہوا

طے کردیے عدو نے محبت کے مسئلے
جو مشورہ ہوا ہے وہ باہم نہیں ہوا

ہر خواب کے زوال میں تھا زندگی کا رنگ
پر زندگی سے رابطہ محکم نہیں ہوا

سب ختم ہوگئے مرے جگنو، مرے چراغ
رنگِ شبِ ملال مگر کم نہیں ہوا

☆☆☆

سفر بھی کوئی نہ ہو رہ گزر بھی کوئی نہ ہو
ہمارے بعد خراب اس قدر بھی کوئی نہ ہو

سب اس ہجوم میں گم ہونا چاہتے ہیں جہاں
پتہ ٹھکانہ بھی، خیروخبر بھی کوئی نہ ہو

خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ان دیاروں میں
سب آنکھیں رکھتے ہوں اوردیدہ ور بھی کوئی نہ ہو

زمانہ کاش نہ آئے کہ پھول پھل کے بغیر
فقط گھروں کاہو جنگل، شجر بھی کوئی نہ ہو

زمیں نہ بین کرے مہربان ماں کی طرح
کرو کچھ ایسا کسی کا ضرر بھی کوئی نہ ہو

پھر اس جہان میں کیسے رہیں کہاں جائیں
وطن بھی کوئی نہ ہو اور گھر بھی کوئی نہ ہو

ہمیں زمیں پہ اتارا گیا زوال کے وقت
یہی بجاہے توپھر نوحہ گر بھی کوئی نہ ہو

☆☆☆

تمام رونقِ دنیا تھی کو بہ کو دل میں
بچا گیا مگر اک شخص آ کے ہو دل میں

میں جب بھی جنگ کا سامان کرنے لگتا ہوں
پناہ لیتے ہیں آ کر مرے عدو، دل میں

بدل بھی سکتی ہے تقدیر قریہ غم ناک
پہ شرط یہ ہے کہ آ کر رہے جو تو دل میں

ستارے ٹوٹتے ہیں آسمانِ امکاں سے
سو ڈوبتے ہیں ہزاروں ستارہ جو دل میں

کشیدِ مے میں کدورت، سفالِ وقت میں زہر
سمیٹ لیجیے اب جام اور سبو دل میں

بچی ہے ریگِ ندامت ہی اب کناروں پر
مثالِ آبِ رواں تھا کبھی لہو دل میں

وہ دور ختم ہوا وہ خیال ختم ہوئے
پہ چٹکیاں کوئی لیتا ہے حیلہ جو دل میں

☆☆☆

جس کو ہونا ہے وہ ان آنکھوں سے اوجھل ہوجائے
اس سے پہلے کہ مرا کام مکمل ہوجائے

میں تو بس دیکھتا رہتاہوں زمینوں کے کٹاؤ
آدمی سوچنے والا ہو توپاگل ہوجائے

کہیں ایسا نہ ہوویرانے ہوں پھر سے آباد
کہیں ایسا نہ ہو ہر شہر ہی جنگل ہوجائے

یہ زمیں جس پہ ہے گلزاروں کی تعداد بہت
یہ بھی ہوسکتا ہے کل کو وہی مقتل ہوجائے

ریگ زاروں سے بخارات ہی اٹھتے ہیں مگر
کون جانے کہ یہ گرمی کوئی بادل ہوجائے

میرا پندار ہی دیوار ہے ناکامی کی
یہ جو گرجائے تو ہر خواب مکمل ہوجائے

☆☆☆

دلوں میں درد کی شدت کو آزمائے کیوں
غرض کسی سے نہیں ہے تو پھر نبھائے کیوں

اگر پسند خدا کو ہے صرف تنہائی
یہ آسمان وزمیں اس نے پھر بنائے کیوں

پرانا پیڑ تو گرتا ہے پورے جسم کے ساتھ
وہ شاخ سبز نہیں ہے تو سر جھکائے کیوں

اگر کسی کی اجالوں سے رسم وراہ نہیں
تو پھر چراغ لیے گھومتے ہیں سائے کیوں

تمام تیر تو لگتے نہیں پرندے کو
ہر ایک شکل بھلا آنکھ میں سمائے کیوں

تم اپنے عشق میں گم کیوں نہیں جو عاشق ہو
وہ بے وفا ہے تو پھر غیر کے نہ جائے کیوں

تمام کارِ زیاں کو ہنر کیا ہم نے
ہمارے بعد ادھر دوسرا نہ آئے کیوں

☆☆☆

شجر پہ بیٹھے پرندے اڑا نہیں سکتا
یہ مشغلہ تو مجھے راس آ نہیں سکتا

وصال و ہجر کے مابین ہے سفر میرا
میں ان حدود سے آگے تو جا نہیں سکتا

میں رازِ عشق بھی کب کھولتا تھا دنیا پر
سو داغِ عشق بھی سب کو دکھا نہیں سکتا

اگر ہوا نہ گرائے پرانے پتوں کو
شجر، شگوفے بھی تازہ کھلا نہیں سکتا

اسی کے بارے میں دن رات سوچتے رہنا
جسے میں اپنے گلے سے لگا نہیں سکتا

مرے مکاں میں ہیں دوچار چاہتوں کے چراغ
جنھیں ہواؤں کا لشکر بجھا نہیں سکتا

بہت سے لوگ مجھے بھی غلط سمجھتے ہیں
سو میں بھی سب کو تو اچھا بتا نہیں سکتا

☆☆☆

خسارہ ہے تو دنیا دیکھنے میں
مگر لگتا ہے اچھا دیکھنے میں

حقیقت سے بھی آگے بڑھ گیا ہے
بظاہر تھا جو قصہ دیکھنے میں

کنارے کاٹتا جاتا ہے پل پل
یہ ہے معصوم دریا دیکھنے میں

تھا جس کو دیکھنا اس کو نہ دیکھا
گزاری عمر کیا کیا دیکھنے میں

اسے جس طرح دیکھے جو بھی دیکھے
یہ دنیا ہے تماشہ دیکھنے میں

ملے بن دیکھے کچھ لوگوں کو تمغے
ہوئے کچھ لوگ رسوا دیکھنے میں

وہ دنیادار بھی عیار بھی ہے
نظر آتا ہے تنہا دیکھنے میں

☆☆☆

چشم ولب اور کہیں جامِ شراب اور کہیں
اہل خواب اور کہیں، منظرِ خواب اور کہیں

کیا ضروری ہے اسی شاخِ جنوں پر مہکیں
اگلے موسم میں کھلیں گے یہ گلاب اور کہیں

میں بھی مصروف کسی جنگ کی تیاری میں
منتظر فوجِ عدو پا بہ رکاب اور کہیں

قریہ عشق تو اک حرفِ غلط تھا صاحب
آج کل رہتے ہیں وہ خانہ خراب اور کہیں

میں سوالات غلط لوگوں سے کیوں پوچھتا ہوں
جانتا جب ہوں کہ ملتے ہیں جواب اور کہیں

ان دیاروں میں حقائق کا اجالا ہے اگر
تم بھی آباد کرو قریہ خواب اور کہیں

☆☆☆

محسوس ہورہا ہے خلا دور دور تک
جیسے نہ ہو ہوا کا پتہ دور دور تک

ادراک کے تمام دریچے ہوئے ہیں بند
ہے منظرِ غبار نما دور دور تک

اس دن سبھی نے مرگِ ہوا کا کیا ملال
اس شب کوئی دیا نہ جلا دور دور تک

پوچھا جو میں نے گل تری خوشبو کہاں گئی
بس مسکرا کے اس نے کہا دور دور تک

یہ کس جری کی موت کا ماتم ہے دوستو
لہرا رہی ہے فصلِ عزا دور دور تک

میں نے بہت تلاش کیا پر نہیں ملا
ان بستیوں میں خوفِ خدا دور دور تک

☆☆☆

کسی ستارے کی آرزو میں کبھی ستارہ نہیں ملے گا
ہم ایک دریا کے دو کنارے کوئی کنارا نہیں ملے گا

اداس موسم کے محرموں نے خزاں کے کانوں میں کہہ دیا ہے
کہ سبزہ و گل کو خاک کر دے یہ دن دوبارہ نہیں ملے گا

سبھی کے مہتاب اپنے اپنے علاقہ ہجر میں ہیں روشن
کہیں تمہارا نہیں ملے گا کہیں ہمارا نہیں ملے گا

یہ خاکِ صحرا ہی گرد بن کر بلند ہوگی سروں کے اوپر
گھنے بنوں سے گزر تو آئے ہو ابر پارہ نہیں ملے گا

شکستہ پایانِ مصلحت ہی بلندیوں تک پہنچ سکیں گے
جو اپنے پیروں پہ چل رہے ہیں انہیں سہارا نہیں ملے گا

عذاب دانش کی گٹھریوں نے سروں کو مجروح کر دیا ہے
خدائے برتر، بتا کوئی، لمحۂ گوارہ نہیں ملے گا

☆☆☆

مضموں یہ کنائے نہ اشارے کے لیے ہے
وہ شخص کسی اور ستارے کے لیے ہے

کھلتا ہوا گل آگ اگلتا ہوا موسم
عبرت کے لیے ہے کہ نظارے کے لیے ہے

خاشاک ہوس، عشق کے پھیلے ہوئے جنگل
ہر چیز مگر وقت کے دھارے کے لیے ہے

سوداگر اسباب جنوں گھر سے نکل کر
بازار میں آیا ہی خسارے کے لیے ہے

جب ہجر کی حدت سے جھلس جائیں دل و جاں
یہ درد کی دیوار سہارے کے لیے ہے

مواج سمندر میں ٹھہرتا نہیں کوئی
بے چین ہر اک شخص کنارے کے لیے ہے

☆☆☆

سارے لوگ یہی کہتے ہیں آزادوں کوغم نہیں ہوتا
آزادی وہ زخم ہے جس کا کوئی بھی مرہم نہیں ہوتا

ہار چکے ہیں ساری ہمت،کوزہ گرانِ عشق و محبت
کسی کی مٹی نم نہیں ہوتی کسی کو چاک بہم نہیں ہوتا

گھٹتے بڑھتے چاند سے موسم، دھوپ چھاؤں کا چکر دنیا
کس دروازے دکھ نہیں آتے کس گھر میں ماتم نہیں ہوتا

تاجرِ عقل وہوش نے یارو دولتِ دنیا خوب کمائی
اس کا خزانہ بے پایاں ہے، ایک بھی سکہ کم نہیں ہوتا

اپنی اپنی تقدیریں ہیں، اپنی اپنی تدبیریں ہیں
کوئی جہاں میں خوش نہیں رہتا اور کوئی برہم نہیں ہوتا

☆☆☆

ہر طرف معرکۂ تیغ و گلو روشن ہے
اس اندھیرے میں کہیں میں کہیں تو روشن ہے

میرے پندار سے زندہ ہے شکستوں کا عروج
تیری آواز سے یہ عالمِ ہو روشن ہے

فتح و نصرت بھی ملی معرکہ سر ہو بھی گیا
آج تک آنکھ میں کیوں شکل عدو روشن ہے

ہر تعلق میں چمکتا ہے کسی ہجر کا چاند
شاید اس سے ہی یہ فرقِ من و تو روشن ہے

میں نہ درویش نہ دنیا کی طلب کا مارا
دین و دنیا سے جدا میرا سبو روشن ہے

☆☆☆

بدن کے بحر میں بے چین موجزن اک چیز
بھٹکتی پھرتی ہے بے صوت و بے سخن اک چیز

مگر کہاں مری تنہائی کے برابر ہے
اگرچہ ہوتی ہے دنیا میں انجمن اک چیز

کبھی خوشی ہے کبھی غم کہ جس طرح موسم
ہے ایک چیز اندھیرا تو ہے کرن اک چیز

کئی جزیروں میں ہم نے کیا قیام مگر
زمانے بھر میں ہے اس شوخ کا بدن اک چیز

خیال رکھنا ہے ہر اک کی دل نوازی کا
ادھر بخارا و بصرہ ادھر یمن اک چیز

تری دعا سے سوا کب ہے میرا نالۂ شب
مرے خمیر میں لیکن ہے جان من اک چیز

☆☆☆

کسی پردۂ غیب سے ظاہر ہو کوئی صورت ہجر کے جانے کی
کوئی ساعت سعد نوید تو دے پھر تیرے پلٹ کر آنے کی

مری باتیں سن کر کہتے ہیں احباب مرے اغیار مرے
یہ شخص ہے کون سی دنیا کا یہ بات ہے کس کے زمانے کی

جو کچھ کہنا ہے کہہ پیارے مت خواب وخیال میں رہ پیارے
یہ لمحے کم کم آتے ہیں یہ رت بھی نہیں شرمانے کی

ہر سمت ہیں شعلوں کے ہالے کہتے ہیں مگر کچھ متوالے
کوئی رستہ اس تک جانے کا کوئی صورت آگ بجھانے کی

دو جملوں میں دروازۂ جاں سب بند کیے دیتے ہیں یہاں
باتیں تو سبھی کرتے ہیں میاں دیوارِ انا کو ڈھانے کی

میں وہ ضدی تھا جس کے لیے ہر کارِ زیاں تھا راحتِ جاں
ویسے تو مرے ہمدردوں نے کوشش کی بہت سمجھانے کی

کیا خرچ کروں کب خرچ کروں اس سوچ میں ڈوبا رہتا ہوں
اللہ کا دیا سب کچھ ہے میاں مجھے فکر نہیں ہے کمانے کی

☆☆☆

جہان شوق میں ٹھہری ہے یارواں ہر چیز
کوئی بتائے کہ موجود ہے کہاں ہر چیز

میں اپنے آپ سے جب مطمئن ہواتب سے
نہ جانے کیوں نظر آتی ہے بدگماں ہر چیز

خوشی کے سارے حوالے ہیں گردباد اگر
تو کیوں اسیرِ غم و رنج رائگاں ہر چیز

فروغِ شام زمستاں، گھروں سے اٹھتادھواں
جوان موت پہ ہو جیسے نوحہ خواں ہر چیز

نشاطِ خواب بھی کیا چیز ہے کہ جس کے بغیر
نگاہ کو نظر آتی ہے رائیگاں ہر چیز

کوئی نہیں جو شرافت کسی سے مانگ سکے
تبادلوں میں ہے لوگوں کے درمیاں ہر چیز

اگر نہ سمجھو تو ہر ایک لفظ بے معنی
سمجھ میں آئے تو ہے سر دلبراں ہر چیز

☆☆☆

دن ڈھلا ، طلعتِ مہتاب کا آغاز ہوا
مرے اندر بھی کسی خواب کا آغاز ہوا

پہلے کچھ بیج تہ خاک گئے پھر پانی
اس طرح خطہ شاداب کا آغاز ہوا

مہر خاموشی کی ہونٹوں پہ لگادی گئی ہے
یعنی ہر ذہن میں سیلاب کا آغاز ہوا

میں نے سمجھا تھا مکمل ہوئی خوابوں کی کتاب
دفعتاً ایک نئے باب کا آغاز ہوا

میرے ہی شہر تھے جو دفن ہیں مٹی میں کہیں
جن سے ناپید کا نایاب کا آغاز ہوا

گرم رت آئی مگر چند گھرانوں کے لیے
پھر سے خس خانہ و برفاب کا آغاز ہوا

زندہ رہنے کے دنوں میں تھے سبھی مجھ سے خفا
موت کے ساتھ ہی احباب کا آغاز ہوا

☆☆☆

شجر پہ جب بھی شگوفہ دکھائی دیتا ہے
ہوا کا رنگ بدلتا دکھائی دیتا ہے

پہنچ سکیں گے نہ دریائے انتظار کے پار
جو پل ہے اس پہ شکستہ دکھائی دیتا ہے

قریب جاؤ تو بینائی کی پرکھ ہوجائے
چراغ دور سے نقطہ دکھائی دیتا ہے

درخت خود نہیں کرتے ہیں سائیں سائیں کبھی
کرشمہ یہ بھی ہوا کا دکھائی دیتا ہے

درخت کس لیے ماتم کناں ہیں دور تلک
خموش دیر سے دریا دکھائی دیتا ہے

تمام دشت پہ تاریکیاں مسلط ہیں
نہ کوئی شاخ نہ پتہ دکھائی دیتا ہے

☆☆☆

ہوا کا کیا ہے ذرا میں یہ رخ بدل جائے
دعا کرو کہ دیا صبح تک تو جل جائے

ابھی میں سکہ امید سے نہیں مایوس
نہ جانے کون سے بازار میں یہ چل جائے

غلط مقام پہ بستی بسا کہ سادہ لوگ
یہ چاہتے ہیں کہ دریا ہی رخ بدل جائے

ندائے کوہ کسے اذنِ باریابی دے
پتہ نہیں کہ کوئی کب کہاں نکل جائے

تری خوشی مرے لفظوں میں پھول بن کے کھلے
ترا ملال مرے آنسوؤں میں ڈھل جائے

مرے لہو سے ترا آسمان روشن ہو
تری تلاش میں خورشید عمر ڈھل جائے

☆☆☆

خود کو ہم عشق وہوس سب سے بری کہتے ہیں
دوسرے اس کو مگر کم نظری کہتے ہیں

اور ہی لوگ تھے وہ ان کے مقاصد تھے جدا
ہم تو ہجرت کوفقط دربدری کہتے ہیں

اب بھی زندہ ہیں وہ درویش جو اے حاکمِ شہر
تیرے فرمان کو دریوزہ گری کہتے ہیں

چند لمحوں کی رفاقت اسے کم لگتی ہے
ہم مگر حاصلِ صد ہم سفری کہتے ہیں

ہم بھی اڑتے ہیں زمانے کی ہوا میں لیکن
اپنی پرواز کوبے بال وپری کہتے ہیں

☆☆☆

ترے چراغ بھی اچھے ہیں گھر بھی اچھا ہے
مگر یہاں سے ہوا کا گزر بھی اچھا ہے

نہ کوئی خواب نظر میں نہ دل میں کوئی خیال
سو میں بھی خوش ہوں مرا ہمسفر بھی اچھا ہے

نہ موج نرم کو معلوم ہے نہ دریا کو
جہاز ہی نہیں اچھے بھنور بھی اچھا ہے

ہر ایک راز سے واقف ہے سب جوازوں سے
وہ آدمی ہی نہیں حیلہ گر بھی اچھا ہے

یہ زخم عشق کا دعویٰ میں بھر نہیں سکتا
سنا ہے وقت مگر چارہ گر بھی اچھا ہے

☆☆☆

شورش گریہ و فریاد سے خم ہوگئے کیوں
سارے محراب دکھیں نذر عدم ہوگئے کیوں

سب غم سے تھے آگاہ نہ اہل غم سے
بھیڑ کو دیکھ کے ہم شامل غم ہوگئے کیوں

یہ سب آنسو تو زمینوں کے لیے تھے لیکن
لمس شبنم سے کئی پھول بھی نم ہوگئے کیوں

اہل دنیا بھی وہی اور یہ دنیا بھی وہی
صرف اس بزم سے کچھ سر پھرے کم ہوگئے کیوں

چاہتے ہم تھے کہ دیں ورثے میں اگلوں کو جنوں
سارے امکان مگر ہم میں ہی ضم ہوگئے کیوں

اب تو زنجیر تعلق کا خدا حافظ ہے
وحشتوں کے بہت اسباب بہم ہوگئے کیوں

☆☆☆

اب کون دوانوں کا بدل ہوئے گا صاحب
رت آئے گی اوردشت جنوں روئے گا صاحب

سرمایۂ عاشق ترے ملنے کے سوا کیا
پایا ہے تجھے تجھ کو ہی یہ کھوئے گا صاحب

پائے گا وہی نخل ندامت بھی زمیں سے
جو بیج تمنا کے یہاں بوئے گا صاحب

اپنی توفقط سب سے لڑائی میں کٹی ہے
کیوں ہم کو کوئی شخص یہاں روئے گا صاحب

ہو داغ ندامت کہ کوئی داغ محبت
مٹتے ہیں کہاں کون انہیں دھوئے گا صاحب

ہے میؔر کا پیرو سو ترا عاشق کم ظرف
دیوار کے سائے میں کہیں ہوئے گا صاحب

☆☆☆

نہ ان صداؤں سے نکلو نہ اس ہوا سے بچو
جو بچ سکو تو ذرا موسم فنا سے بچو

دعا کے لفظ کہیں بد دعا نہ بن جائیں
ہر اک فقیر پر اسرار کی صدا سے بچو

منافقت کی زمیں پر فریب ہے کتنی
خدا کرے کہ تم اس تازہ کربلا سے بچو

یہ شاہ اپنی حدوں میں قیام کرتے ہیں
تمہیں بھی چاہیے ان کی حرم سرا سے بچو

لہو کا رنگ نہ کم کردے چہرۂ گلنار
ہتھیلیوں پہ دمکتی ہوئی حنا سے بچو

☆☆☆

خاک ہوجاتا ہے گلزار کا چہرہ کیسے
گردشِ عصر سے پیدا ہوئے صحرا کیسے

ڈوبنے والی زمینوں کو یہ معلوم نہیں
راہ تبدیل کیا کرتے ہیں دریا کیسے

شہر در شہر ہزیمت کے گلی کوچے ہیں
تیری قسمت کا ہر اک موڑ ہے اچھا کیسے

میں بھی کوزہ کو سمندر کا بدل جانتا ہوں
ورنہ اس عہد میں رہ سکتا تھا زندہ کیسے

نور وظلمت کا تصور بھی اضافی ہے کیا
گھل گیا چشمہ خورشید میں سایہ کیسے

میں تو یہ سوچ کے منزل سے پلٹ آیا ہوں
مجھ سے آگے تھا مرا نقشِ کفِ پا کیسے

☆☆☆

سارے لوگ انعام چاہتے ہیں
ہم بس وِردِ جام چاہتے ہیں

موت، صداقت ہے یہ جان کے
سب کیوں استحکام چاہتے ہیں

تھکے سپاہی رن سے لوٹ کے
آقا سے انعام چاہتے ہیں

کارِ جنوں سے دشواری کا ڈر
اچھا سا کوئی کام چاہتے ہیں

شعر وسخن کی غایت ہے اتنی
ہم بھی تھوڑا نام چاہتے ہیں

☆☆☆

نہ زمین میری حریف ہے نہ زمان میرے خلاف ہے
میں اک ایسا سچ ہوں جو تلخ ہے سو جہان میرے خلاف ہے

یہ عدالتوں کا ہے معجزہ کہ گداگری کا شعورِ نو
سو مرے گواہِ عزیز ہی کا بیان میرے خلاف ہے

اک اداس عہد کی حسرتیں اک عجیب دور کی حیرتیں
مرے دل میں کیسے سما گئیں مرادھیان میرے خلاف ہے

میں گداگروں کے دیار میں ہوں جو زندہ دفن مزار میں
مرا شوق میرا زوال ہے مرا گیان میرے خلاف ہے

میں زیاں کی رت کا چراغ تھا مگر عہد سود میں جل اٹھا
یہ سیاہ رات کا ہمنوا یہ جہان میرے خلاف ہے

☆☆☆

تھا مکان دل کسی اور کا پہ رہا بسا کوئی دوسرا
میں کسی کے ہجر میں مضطرب مجھے چاہتا کوئی دوسرا

ترا رنگ سب سے جدا سہی تری شکل سب سے حسیں مگر
مرا مبتدا کوئی اور ہے مرا منتہا کوئی دوسرا

مرے لوگ گردوغبار میں ترے یار تیرے دیار میں
تو اسیرِ منزل شش جہت مرا راستہ کوئی دوسرا

میں ذرا سی بات پہ روٹھ کر تو نہیں گیا تری بزم سے
مرے مہرباں کبھی سوچتا تھا معاملہ کوئی دوسرا

یہی آسماں مرا آسرا یہی خاک خلعتِ بے بہا
مری جائیداد جنوں جسے نہیں بانٹتا کوئی دوسرا

☆☆☆

اگر مرا کسی دریا سے رابطہ ہوجائے
تو پھر دیارِ سخن بھی ہرا بھرا ہوجائے

یہ بے خودی مجھے لے جائے اس جگہ کہ جہاں
عجب نہیں کہ کبھی خود سے سامنا ہوجائے

کہاں سے لاؤں وہ ایقان وعشق جس کے سبب
بغیر عصا کے بھی دریا میں راستہ ہوجائے

ہوا کے ساتھ مری خاک اگر سفر نہ کرے
نمو کا ختم زمانے سے سلسلہ ہوجائے

کسی جزیرہ رنگیں کو پاسکے گا جہاز
سمندروں پہ اگر مہرباں ہوا ہوجائے

تمام دانشِ موجود ہے فریب نظر
یہ نکتہ جو بھی سمجھ لے وہ سر پھرا ہوجائے

☆☆☆

طلسم خانہ موجود و ماورا کی طرح
میں اپنے آپ میں تنہا رہا خدا کی طرح

وہ ایک لمحہ مگر دسترس میں کب آیا
خیال آ کے چلا بھی گیا گھٹا کی طرح

ٹھہرنے والے جہازوں نے راستہ بدلا
جزیرہ ڈوب گیا نقطہ ضیا کی طرح

قبول کیسے کیے جائیں بارگاہوں میں
لبوں سے لفظ نکلتے نہیں دعا کی طرح

تجھے نظر نہیں آتا مگر یہی سچ ہے
میں کائنات میں موجود ہوں ہوا کی طرح

☆☆☆

ہر رسم کو راہ مت بنانا
یوں حال تباہ مت بنا تا

گل برگ وہوا کے معرکے میں
خوشبو کو گواہ مت بنانا

تصویر اگر بناؤ اس کی
وہ خالِ سیاہ مت بنانا

تسلیم کی خو پڑی ہوئی ہے
سو عذرِ گناہ مت بنانا

اب جو بھی زمیں بنانا یارب
بے آب وگیاہ مت بنانا

☆☆☆

عناصر راحت ولذت کے برہم ہوتے جاتے ہیں
بدن لبستی کے دریا دم بدم کم ہوتے جاتے ہیں

جنھیں اجداد نے بس ٹوٹ جانا ہی سکھایا تھا
عجب موسم ہے وہ چھتنار بھی خم ہوتے جاتے ہیں

نہ جانے آسماں پر رات بھر یہ کون روتا ہے
بدن پھولوں کے آنکھوں کی طرح نم ہوتے جاتے ہیں

سحر دم بھیڑ سے کچھ دور نظارہ کناں تھے ہم
جو شام آئی تو خود بھی اس میں مدغم ہوتے جاتے ہیں

ہر اک دل درد کی دولت سے خالی ہونے والا ہے
سبھی کے رشتے دانائی سے محکم ہوتے جاتے ہیں

ہر اک شے پر عجب بے اعتباری سی مسلط ہے
چراغ اعتماد وعشق مدھم ہوتے جاتے ہیں

☆☆☆

محاوراتِ جنوں جاوداں کیے ہوئے ہیں
یہی چراغ جلا کر زیاں کیے ہوئے ہیں

ہمارے بعد جو گزرے گی جن پہ وہ جانیں
ہم اپنی آگ میں خود کو دھواں کیے ہوئے ہیں

شکست وفتح نصیبوں سے ہے یہی کہہ کر
ہم آج تک تو اسے کامراں کیے ہوئے ہیں

نہ رفتگاں سے روابط نہ آنے والوں سے راہ
ہر اک یقین کو نذرِ گماں کیے ہوئے ہیں

رموزِ مملکت عشق جاننے والو
یہ لوگ کس لیے دل کو دھواں کیے ہوئے ہیں

یہ پستیاں تو مقدر ہیں اہل فن کا مگر
زمینِ شعر تجھے آسماں کیے ہوئے ہیں

☆☆☆

ہمارا شجرہ اگر رفتگاں سے ملتا ہے
تو بس قبیلہ آوار گاں سے ملتا ہے

چمکتی کب ہیں بھلا آنکھیں ہر قبیلے کی
یہ حوصلہ بھی کسی مہرباں سے ملتا ہے

ہمیں زمیں کے مسائل سے واسطہ کیسا
ستارہ اپنا ترے آسماں سے ملتا ہے

کوئی مسافر آشفتہ حال آئے نہ آئے
سکوں سرائے کو اک کارواں سے ملتا ہے

عجب قبیلہ ہے یہ کشتگانِ غیرت کا
جواب ایک ہی پیروجواں سے ملتا ہے

تمہارا لقمہ تر تم کو ہی مبارک ہو
ہمیں سکون اسی خشک ناں سے ملتا ہے

ہم ایک عالم صدقہر وصد عذاب میں ہیں
نہ کچھ یقین سے نے کچھ گماں سے ملتا ہے

☆☆☆

کیا برا ہے میں اگر کوئی تماشہ ہوجاؤں
جہاں رہتاہوں اسی شہر میں رسوا ہوجاؤں

انکساری بہت اچھی ہے مگر کل مجھ سے
ایک دریا نے کہا کیسے میں قطرہ ہوجاؤں

عمر گذری ہے بکھرنے کے عمل میں اب تک
ایسا لمحہ کوئی مل جائے کہ یکجا ہوجاؤں

رونق کوچہ و بازار سے ہوکر بیزار
جانے کس لمحۂ آئندہ میں تنہا ہوجاؤں

میری مٹھی میں کئی اور زمانے ہیں ابھی
کس لیے ایک ہی موسم کاشناسا ہوجاؤں

دل ہے بیچین اسی خاک میں گم ہونے کا
جسم کہتاہے کسی اور زمیں کاہوجاؤں

☆☆☆

(ڈاکٹر قمرالہدیٰ فریدی کے لیے)

اچھے دنوں کے خواب مبارک ہوں آپ کو
کھلتے ہوئے گلاب مبارک ہوں آپ کو

اب آپ کی حیات میں آئے گی دلکشی
یہ تازہ انقلاب مبارک ہوں آپ کو

مدت سے جو سوال تھے آنکھوں میں آپ کی
آج ان کے یہ جواب مبارک ہوں آپ کو

اب ہیں کتاب عمر کے اوراق دیدنی
خوشیوں کے تازہ باب مبارک ہوں آپ کو

اب تک تو تجرباتِ بزرگاں پہ تھا مدار
اب یہ نئے نصاب مبارک ہوں آپ کو

☆☆☆

یہ آرزو ہے کہ سارے جہاں میں پھول کھلیں
سوال یہ ہے کہ کیسے خزاں میں پھول کھلیں

یہ کائنات فقط خوشبوؤں سے بھر جائے
یقیں میں پھول کھلیں یا گماں میں پھول کھلیں

میانِ عشق وہوس دسترس میں آئے وہ
لہو مہکنے لگے اور جاں میں پھول کھلیں

دھنک کے رنگ رخِ یار سے بھی ظاہر ہوں
ہو جس طرح بھی کفِ مہرباں میں پھول کھلیں

نواحِ اہلِ جنوں میں ہو گل رتوں کا ہجوم
دیار و قریہ آزادگاں میں پھول کھلیں

کوئی سبیل ہو آزردگاں کے ہنسنے کی
کسی طرح تو دلِ دوستاں میں پھول کھلیں

ہر ایک چہرہ گلِ نو بہار ہو یارب
نہ آنسوؤں نہ صدائے فغاں میں پھول کھلیں

فروغ لالہ رخاں سارے موسموں میں رہے
کوئی سبیل کہ جس سے خزاں میں پھول کھلیں

پھر آسماں پہ ستاروں کی پھلجھڑی چھوٹے
ادھر ادھر صفِ سیارگاں میں پھول کھلیں

☆☆☆

نہ اک خیال نہ اک مرحلے میں پھول کھلائیں
زمینِ عشق پہ ہر زاویے میں پھول کھلائیں

وہ اک گلاب جو ہے خواب کے ستارے پر
ادھر وہ آئے تو ہم راستے میں پھول کھلائیں

یہ اہل ہوش و خرد صاحبانِ نقد و نظر
شراب پی کے تو دیکھیں نشے میں پھول کھلائیں

یہ خار وخس جو یہاں ہیں انہیں ہٹایا جائے
بہار آگئی پھر میکدے میں پھول کھلائیں

وہ تتلیاں جو کہیں کھوگئی ہیں وقت کے ساتھ
بہاریں صرف انہیں ڈھونڈنے میں پھول کھلائیں

ہیں روشنی سے زیادہ عزیز نکہت و رنگ
تو پھر دیئے کو بجھا دیں دیئے میں پھول کھلائیں

جو لوگ سلسلہ آتشیں میں بیعت تھے
اب ان کی خاک سے کس مقبرے میں پھول کھلائیں

☆☆☆

نہ فرشِ خواب نہ عرشِ گماں بناتے ہیں
نقوش ہم بھی تو سب رائیگاں بناتے ہیں

ہوائے عصر کی عیاریوں سے واقف ہیں
مکاں میں پھر بھی کئی کھڑکیاں بناتے ہیں

جدھر کبھی کسی دریا کا رخ نہیں ہوتا
ہم اس مقام پہ کیوں کشتیاں بناتے ہیں

سب اپنے حاضروموجود کے حوالے سے
نواح و قریۂ وابستگاں بناتے ہیں

فقط ہوا نے بجھایا نہیں چراغوں کو
کئی ملال بھی مل کر دھواں بناتے ہیں

وہ لوگ جن سے نہ کھنچتی تھی ایک سیدھی لکیر
سنا ہے آج نظامِ جہاں بناتے ہیں

☆☆☆

نہ مہرو ماہ نہ افلاک جاں سے روشن ہے
تمام خانہ دل رفتگاں سے روشن ہے

دلوں میں درد کے جگنو بھی جلتے بجھتے ہیں
ستم کی رات بھی شورِ سگاں سے روشن ہے

چراغِ لالہ جو روشن ابھی نہیں ہے تو کیا
جنوں کا باغ تو آوار گاں سے روشن ہے

جہاں میں یوں تو سبھی آب وگل کے پتلے ہیں
ترا جمال کسی کے بیاں سے روشن ہے

کتاب عشق ومحبت کے حاشیوں پہ نہ جا
بیاضِ ہجر وہوس درمیاں سے روشن ہے

کہاں پہ تیرہ وتاریک ہے یہ عرصہ دہر
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہاں سے روشن ہے

ہمارے سامنے جلتا نہیں عدو کا چراغ
ہماری فکر حدِ لامکاں سے روشن ہے

☆☆☆

برنگِ عشق دل وجاں میں تہہ نشیں کوئی چیز
ابھی ابھی تو یہیں تھی اور اب نہیں کوئی چیز

چمک رہی تھیں جبینیں دمک رہے تھے بدن
سیاہ غار میں تھی صورت نگیں کوئی چیز

یہ آب وگِل کے کرشمے یہ ہجر کے پھیلاؤ
کہ ہنس رہی ہے کہیں اور کہیں غمیں کوئی چیز

دل و نظر کو گرفتار رنگ و بو کرتے
کبھی کبھی کوئی منظر کہیں کہیں کوئی چیز

حنوط کرکے بس اہل دول کو رکھتا تھا
بہت عجیب تھا وہ عہدبے یقیں کوئی چیز

عجب ہوا تھی کہ جس میں کسی کی فکر نہ تھی
نہ آسمان ہی کچھ تھا نہ تھی زمیں کوئی چیز

رخِ ثوابت و سیارگاں بدلتی ہوئی
خلاؔ میں صورت آسیب ہے کہیں کوئی چیز

عذاب دانشِ حاضر کو اور کیا کہیے
سروں پہ سایہ فگن جیسے آتشیں کوئی چیز

اسی زمیں پہ نگاروں کا اژدہام بھی ہے
مثال زشت وخرابی بھی ہے یہیں کوئی چیز

کسی نفاق کا خنجر کسی خیال کا بت
چمک رہی ہے ترے زیر آستیں کوئی چیز

☆☆☆

سخی بہت ہیں مگر مرد مہرباں کوئی ہے
دیارِ درد میں دریا کہیں رواں کوئی ہے

قتیلِ عشق وہوس سیکڑوں ہیں دنیا میں
محبتوں کے علاقے کا رازداں کوئی ہے

مجاورانِ مزارِ تکلفات کی خیر
یہیں کہیں کسی جگنو کا نوحہ خواں کوئی ہے

مرے عدو بھی مری شہرتوں کے ساتھی ہیں
انہیں کی آگ سے پھیلا ہوا دھواں کوئی ہے

امیر لمحہ موجود وحال ہیں کچھ لوگ
جو اس کے بعد ہے اس کا بھی حکمراں کوئی ہے

جو کوچے اہلِ محبت کے نام سے تھے وہاں
ہر ایک در پہ صدائیں نے دی یہاں کوئی ہے

☆☆☆

عشق پیچاں کی سبک بیل کے سائے سائے
ہائے کیا لوگ تھے کیوں دشتِ جنوں چھوڑ آئے

موسموں کا یہ تسلسل تو بجا ہے لیکن
کیا یہ ممکن ہے کوئی پھول دوبارہ کھل جائے

عشق کی جنگ کے جاں باز عجب تھے جن کے
جیت جانے پہ بھی پرچم نہ کہیں لہرائے

بس اسی فکر نے اک روز بجھایا مجھ کو
کیوں چمکتے ہیں دمکتے ہیں مرے ہم سائے

کسی امید کے تیشے سے ضرورت کا پہاڑ
آج دشوار تو ممکن ہے کہ کل کٹ جائے

سارے مجہول بیاں بنتے رہے میرو وزیر
تھے جو یکتائے سخن، شبہ کے مصاحب کہلائے

☆☆☆

شہر نہ لوگ ایک سے ماہ نہ سال ایک سے
پھر بھی ہر اک دیار میں ماضی وحال ایک سے

عشق کا راستہ کجا، منزلِ بو الہوس جدا
ایک ہی عہد میں نہیں سب کے خیال ایک سے

کوئی کتاب جس میں ہوں سارے سبق سکون کے
سارے جواب ایک سے سارے سوال ایک سے

کون یہاں بدل سکا ماہیت جنون وعشق
ہجر میں تھے جو مختلف بعدِ وصال ایک سے

کار گہہ وجود میں ہے کوئی آسماں مزاج
جن کے لیے نشاط وعیش، رنج وملال ایک سے
☆☆☆

سب یقینوں پہ مسلط تھا گماں راستے بھر
گرد ہی گرد تھی یا صرف دھواں راستے بھر

ہم سفر اچھے تھے سب اور سفر بھی دلچسپ
اک کہانی ہمیں کرنا تھی بیاں راستے بھر

سسکیاں بھرتے تھے اشجار سے گرتے پتے
اور پھرتی تھی ہوا رقص کناں راستے بھر

راستے میں کوئی انساں تھا نہ قریہ نہ دیار
صرف محسوس ہوا شورِ سگاں راستے بھر

کوئی بادل تھا نہ دریا نہ سمندر کوئی
پھر بھی ہمراہ رہا سیل گراں راستے بھر

ہم کہاں ڈوبے تھے کس شہر میں لاش ابھری ہے
صرف سنتے رہے لہروں کی زباں راستے بھر

اب مکینوں کے لب ورخ کو کوئی کیا دیکھے
ان سے اچھے ہیں یہ خوش رنگ مکاں راستے بھر

''میر صاحب'' تو نہ رستے میں کسی سے بولے
ہم نہ کر پائیں گے یوں جی کا زیاں راستے بھر

☆☆☆

سوائے آہ وفغاں کیا ہے آرزو کا جواب
مجھے بھی مل نہ سکا میری جستجو کا جواب

چمک رہا ہے سلگتے ہوئے ستاروں میں
جہانِ عشق کی ہر صورت نمو کا جواب

کتابِ عشق کے سب حاشیوں سے باہر ہے
محبتوں کے امیں کا ہو یا عدو کا جواب

نہ جانے کتنے زمانوں سے تہہ نشیں ہے کہیں
وہ خاک جس کو ٹھہرنا ہے رنگ وبو کا جواب

جہاں میں اور بھی باریک تر حوالے ہیں
نہیں ہے تیغ جفا ہی رگِ گلو کا جواب

ستارہ تاب زمینوں پہ رہنے والے لوگ
نہ بن سکیں گے کبھی خاکِ بے نمو کا جواب

نہ کوئی سر مری شوریدگی کو راس آیا
نہ کوئی کیسہ زر بن سکا کدو کا جواب

☆☆☆

خذف تودشت و بیابان میں چمکتے ہیں
چراغ، عرصہ امکان میں چمکتے ہیں

دبیز کائی ہٹاکر اداس جھیلوں کی
پرند، صبح زمستان میں چمکتے ہیں

میں ان کو شاخ پہ کھلتے بھی دیکھ آیا تھا
یہ پھول جو ترے گلدان میں چمکتے ہیں

جہاں میں کچھ بھی نہیں ہے ملاوٹوں کے بغیر
گماں کے رنگ بھی ایقان میں چمکتے ہیں

یہ گر پڑیں تو ستاروں کے رخ بدل جائیں
جو اشک دیدہ حیران میں چمکتے ہیں

تکلفات بھی، بیگانگی کے موسم بھی
نہ جانے کیوں تری پہچان میں چمکتے ہیں

اک آبشار جنوں، چشم تر کے اندر ہے
کچھ اسم ہیں جو دل وجان میں چمکتے ہیں

☆☆☆

فصیلِ قصرِ انا عشق نے گرادی کیا
شکست کھا گئی پھر قوتِ ارادی کیا

تمہارے شہر کی شب دن کو مات دیتی ہے
یہاں سبھی نے چراغوں کی لو بڑھادی کیا

نہ کوئی نعرۂ ہُو ہے کہیں نہ جام وسبو
اجاڑ دی گئی اب کے جنوں کی وادی کیا

جو معرکے میں نہ جائے وہ بادشاہ نہیں
جو عشق ہی نہ کرے پھر وہ شاہ زادی کیا

دیارِ درد میں تھا جس سے روشنی کا وجود
وہ آگ بارشِ حالات نے بجھادی کیا

نہ کوئی پھول، نہ چہرہ، نہ چاندنی، نہ چراغ
یہاں ہر ایک ہے بدصورتی کا عادی کیا

مسائلِ دل ودنیا پہ غور کرتے لوگ
ضرورتوں نے یہ زنجیر سی بنادی کیا

☆☆☆

کوئی سفر نہ کریں بس گھروں میں رہ جائیں
اگر یہ عشق وہوس،بستروں میں رہ جائیں

ہٹے نہ کوئی ستارہ مدار سے اپنے
دعا یہی ہے کہ سب محوروں میں رہ جائیں

ہم آگ شہر کی ہر چیز کو لگادیں گے
اگر چراغ ہمارے گھروں میں رہ جائیں

جولوگ آج نمایاں ہیں کل کہاں ہوں گے
ہمارا کیا ہے جو پس منظروں میں‌رہ جائیں

بدن سے روح کارشتہ توسخت مشکل ہے
بہت ہے دفن اگر مقبروں میں رہ جائیں

ورائے شعر بھی اک بات شعر میں آجائے
نہ استعاروں میں نے پیکروں میں رہ جائیں

☆☆☆

ہم آسمانِ سخن کے نشاں بدلتے ہیں
رخِ ثوابت وسیارگاں بدلتے ہیں

بہت دنوں سے اسیری میں ہیں تذبذب کی
چلو یقین سے اپنا گماں بدلتے ہیں

جمود میں جنھیں رہنا تھا کب رہے وہ لوگ
جنھیں بدلنا تھا خود کو کہاں بدلتے ہیں

چراغ گھر میں پرانے بہت سے ہیں موجود
انہیں کو بیچ کے نام ونشاں بدلتے ہیں

سب اپنے اپنے علاقوں کی مانگتے ہیں خیر
مگر ہواؤں کے تیور کہاں بدلتے ہیں

ہمارے خواب ہماری طرح اٹل ہیں جناب
ہم اہلِ عشق کہاں بستیاں بدلتے ہیں

یہ لوگ رت کے نہیں رفتگاں کے ہیں قائل
سو ان کے موسمِ ہجراں کہاں بدلتے ہیں

☆☆☆

ملال کس لیے یہ جشنِ شاد کامی کیا
بذاتِ خود ہے کوئی چیز بھی دوامی کیا

پرانے طاق میں رکھی کتاب سے پوچھو
بزرگ کیا تھے بزرگوں کی نیک نامی کیا

یہ آب وگل کا بدن ریزہ ریزہ ہونا ہے
سو خاکدانِ جہاں میں بلند بامی کیا

بس ایک ضرب فنا، اس کے بعد سناٹا
صبا خرامیاں کیا اور تیز گامی کیا

یہ خود فریب صدی جن میں زندہ ہوں میں بھی
یہاں چراغ کی ضو کیا سیاہ فامی کیا

عدو کے سامنے سارا قبیلہ چپ کیوں ہے
سبھی نے ڈال لیا حلقہ غلامی کیا

تمام شہر پہنتا ہے مصلحت کی زرہ
یہاں کرے مرا اندازِ بے نیامی کیا

☆☆☆

نہ احتجاج نہ آوارگی میں دیکھ مجھے
جو ہو سکے تو مری روشنی میں دیکھ مجھے

گلِ ہوس بھی ہے شاخِ وصال کا حصہ
چراغِ لالہ کی تازہ کلی میں دیکھ مجھے

وضاحتوں سے تو کچھ بھی سمجھ نہ پائے گا
کبھی غبار کبھی تیرگی میں دیکھ مجھے

فضائے یاد میں تبدیلیاں نہیں ہوتیں
جدید شخص پرانی گلی میں دیکھ مجھے

ستارہ تاب زمانے کی یادگار ہوں میں
کسی ملال نہ شرمندگی میں دیکھ مجھے

میں ایک بوند سرِ نوکِ خارِ صحرا ہوں
طلوعِ صبح دمِ آخری میں دیکھ مجھے

مرے بیان کے جاہ و جلال پر مت جا
مرے خیال کی پس ماندگی میں دیکھ مجھے

☆☆☆

چراغ ایک جلا کر مکاں میں چھوڑ آیا
ملالِ ہجر، دلِ مہرباں میں چھوڑ آیا

مری زمینِ سخن سے تھا چند ہاتھ ہی کم
وہ آسمان جو میں درمیاں میں چھوڑ آیا

وہ انگلیوں کا ہنر تھا کہ صرف تیشے کا
نقوشِ لمس جو سنگِ گراں میں چھوڑ آیا

زمیں سے رابطہ رکھنا تھا اس لیے خود کو
یہاں وہاں صفِ سیارگاں میں چھوڑ آیا

اب ایک وادیٔ حیرت فزا کا حصہ ہوں
یقیں تمام، دلِ بدگماں میں چھوڑ آیا

سماعتوں کا کرم تھا کہ دشمنوں کا فریب
وہ بزم میں جسے شورِ سگاں میں چھوڑ آیا

مرے سوالوں میں چنگاریاں ہزاروں تھیں
میں آبلے کئی اس کی زباں میں چھوڑ آیا

☆☆☆

کیا یہ چیزیں ہزاروں سال کے بعد
ان نظاروں کے انتقال کے بعد

پھر اسی خاک سے جنم لیں گے
ہم بھی حیران ہیں سوال کے بعد

ق

ابر پارہ فضا میں آوارہ
جیسے اپنے کسی خیال کے بعد

رقص کرتا ہو کوئی دیوانہ
دشت میں منظرِ جمال کے بعد

غیر ممکن ہے کوئی رہ جائے
اک تسلسل سے دیکھ بھال کے بعد

وقت کے تیز رو بہاؤ میں
سب کو بہنا ہے ماہ وسال کے بعد

جب لگائے گی ہم کو موت گلے
یعنی دنیا سے انتقال کے بعد

تذکرہ صرف کچھ دنوں ہوگا
ذکرِ اوصاف بے مثال کے بعد

سب نئے مسئلوں میں الجھیں گے
کیوں کہ ہر منظر زوال کے بعد

وہی سورج ہے آسمان پہ روز
آج بھی یا ہزاروں سال کے بعد

☆☆☆

فرصت شوق گنہگار علاقے میں نہیں
اب زمیں کوئی بھی ہموار علاقے میں نہیں

جو شبہ وقت کے قدموں کو نہ چھو پائی ہو
کیا کوئی ایک بھی دستار علاقے میں نہیں

ہم سمندر کے قریب آکے بہت پچھتائے
کوئی کشتی کوئی پتوار علاقے میں نہیں

صرف ہم تک یہ گل عشق وہوس روشن ہیں
پھر کوئی اور دل افگار علاقے میں نہیں

ویسے تخلیق تو خالق کی سبھی ہیں لیکن
تیرے جیسا کوئی شہکار علاقے میں نہیں

سردرویش کو جو تن سے جدا کرڈالے
اب بھی ایسی کوئی تلوار علاقے میں نہیں

ایک مدت سے گدا دھوپ میں بیٹھا ہوا ہے
کرم ورحم کی دیوار علاقے میں نہیں

ہم یہ کس شہر میں آئے ہیں کہ جو چاہتے ہیں
اسی شے کا کوئی بازار علاقے میں نہیں

☆☆☆

ہر اک یقین کو ہم نے گماں بنادیا ہے
تھے جس زمیں پہ اسے آسماں بنادیا ہے

ہم ایسے خانہ خرابوں سے اور کیا بنتا
کسی سے سلسلہ ربطِ جاں بنادیا ہے

ہمارے شعر ہمارے خیال کچھ یوں ہیں
خلا میں جیسے کسی نے مکاں بنادیا ہے

محبتوں کے امینوں کی ہیں وہ آوازیں
کہ جن کو خلق نے شورِ سگاں بنادیا ہے

زمیں تو پوری طرح ہم بھی دیکھ سکتے ہیں
فلک کو اس نے مگر بیکراں بنادیا ہے

☆☆☆

خوبیوں پر دوستوں کی خاک ڈال آتا ہے کیوں
اے دلِ وحشی تجھے بس یہ کمال آتا ہے کیوں

کون لے جاتا ہے آنکھوں سے نظاروں کا جمال
بیٹھے بیٹھے ترکِ دنیا کا خیال آتا ہے کیوں

کس لیے خورشید صورت لوگ ہو جاتے ہیں خاک
دفعتاً ہر خواب کے شیشے میں بال آتا ہے کیوں

کیا یہاں زنجیر کے حلقوں کی صورت ہیں سبھی
ہجر لوگوں پر برنگِ ماہ وسال آتا ہے کیوں

کیا دیارِ درد کی گلیوں میں اب رونق نہیں
جو بھی آتا ہے وہاں سے وہ نڈھال آتا ہے کیوں

☆☆☆

قدیم وضع کی اونچی عمارتوں کی قسم
دیارِ گل تھا مرا شہر حسرتوں کی قسم

اسی زمین کے نیچے نمو کی موجیں ہیں
بلند وبالا پر اسرار پربتوں کی قسم

مزاحمت کے بنا ڈال دی سپر جس نے
نہ کھا سکے گا کبھی اب شجاعتوں کی قسم

یہیں کہیں کوئی سچائی بھی جنم لے گی
بدی کے رنگ سے روشن ساعتوں کی قسم

ہوس کے سارے علاقوں میں گھوم کر دیکھا
بجز گماں نہیں کچھ بھی محبتوں کی قسم

یہ بہتے دریا یہ جھرنے جو ہیں تسلسل خیر
زمیں پہ بڑھتی ہوئی زاد نفرتوں کی قسم

☆☆☆

ان ستاروں کے اگر زیرِ نگیں رہ جائیں
کیا خبر ہے کہ یہ رخصت ہوں ہمیں رہ جائیں

قافلے سارے جدھر چاہیں ادھر جائیں مگر
بچے ماؤں سے بچھڑ کر نہ کہیں رہ جائیں

کتنے سجدے مجھے بے چین کیے پھرتے ہیں
میں جو مرجاؤں تو سب رہنِ جبیں رہ جائیں

حاکمِ شہر تو فرمان و سند چاہتا ہے
خرقہ پوشوں سے کہو اور کہیں رہ جائیں

اے خدا چاروں طرف پھولوں کی ارزانی کر
زشت رو ختم ہوں دنیا میں حسیں رہ جائیں

مقبرے کس لیے تعمیر کیے جائیں کہ لوگ
یہ بھی دشوار ہے اب زیرِ زمیں رہ جائیں

عالمِ نزع میں عاشق کی ہے پہچان یہی
یاد کچھ شعر دمِ بازپسیں رہ جائیں

☆☆☆

برنگِ عشق وہوس جیسے خواب میں کوئی چیز
چمک رہی تھی شب ماہتاب میں کوئی چیز

دل ونگاہ کو کرتی ہے آفتاب مثال
کبھی نشے میں کبھی اضطراب میں کوئی چیز

عبارتیں ہیں کہ ہیں اژدہوں کی پھنکاریں
مثال نار چھپی ہے کتاب میں کوئی چیز

محبتوں کے تعلق سے میکدے ہیں اداس
نہ جانے کس نے ملا دی شراب میں کوئی چیز

ہے انگلیوں کا ہنر بھی عطائے رب کریم
اثر پذیر ہے تارِ رباب میں کوئی چیز

کسی کا دل تھا کہ ماہی تھی آپ سے باہر
بساطِ خاک پہ تھی اضطراب میں کوئی چیز

خلا نورد کی مانند زندگی گزری
نہ حاشیوں میں ملی نے کتاب میں کوئی چیز

جنوں کنارے لگایا تھا ہم نے خیمہ خواب
ہے آج تک دل پر اضطراب میں کوئی چیز

☆☆☆

جس کے ہم اہل نہ تھے اب کے تو وہ بات ہوئی
لیلۃ القدر میں لیلیٰ سے ملاقات ہوئی

اختتامِ سفر شوق پہ کیوں سوچا جائے
شام کس دشت میں آئی تھی کہاں رات ہوئی

زندہ رہنے کے بہانے تھے بہت دنیا میں
آب ودانے کے بنا بھی گزر اوقات ہوئی

دل سمندر میں بھنور آج زیادہ کیوں ہیں
کس جزیرے کو رواں کشتی جذبات ہوئی

زندگی بھر رہے اس شخص سے باتیں کرتے
جس سے دوچار ہی لمحوں کو ملاقات ہوئی

ملتفت ہم پہ ہوا تو جو خوشامد کے بعد
یہ تو اے دوست، عنایت نہیں خیرات ہوئی

☆☆☆

چراغ ہجر کی لو جھلملانے والی ہے
شب گناہ کرشمے دکھانے والی ہے

اسی ہوا میں نمو کے کئی کرشمے ہیں
اسے شجر مجھے شعلہ بنانے والی ہے

وہی دعا جو ہے مظلوم امتوں کی پناہ
ستم گروں کے لبوں پر بھی آنے والی ہے

محبتیں بھی اسی آدمی کا حصہ تھیں
مگر یہ بات پرانے زمانے والی ہے

تماشہ گاہ میں بیٹھے ہوؤں کو کیا معلوم
جو کھیل آنکھ کو قدرت دکھانے والی ہے

بزرگ بھی یہی کہتے تھے ہم بھی کہتے ہیں
ہوا ، ہوس کے علاقے مٹانے والی ہے

☆☆☆

دلوں پر خوف بھی طاری بہت ہے
مگر جنگوں کی تیاری بہت ہے

خرد کی بستیوں کے پھونکنے کو
جنوں کی ایک چنگاری بہت ہے

سبھی زد میں ہیں دشت و کوہ وانساں
یہ ضربِ وقت ہے کاری بہت ہے

پرانا خشک پتہ کہہ رہا تھا
ہوا میں تیز رفتاری بہت ہے

ہم اپنے دل کی دنیا دیکھتے ہیں
ہمیں یہ شغل بیکاری بہت ہے

چلے ہو اس سے ملنے پر یہ سن لو
اسے شوقِ دل آزاری بہت ہے

نہیں ہے ساتھ رہنا گرچہ آساں
بچھڑنے میں بھی دشواری بہت ہے

☆☆☆

کیا مانگتا تھا اور وہ کیا دے گئے مجھے
آئینے تیرگی کا پتہ دے گئے مجھے

میں طاقچے میں سب سے نیا تھا اسی لیے
بجھتے ہوئے چراغ دعا دے گئے مجھے

میں شعلہ تھا پہ گردِ زماں میں دبا ہوا
کچھ مہربان ہاتھ ہوا دے گئے مجھے

آبادیوں میں دشت کے منظر تھے بے شمار
گرتے ہوئے درخت پتہ دے گئے مجھے

وہ اور تھے نہ جن کو اندھیرا نگل گیا
میرے تو سب رفیق دعا دے گئے مجھے

☆☆☆

دشتِ ہوس میں پیکِ فنا آنے والا ہے
ان بستیوں پہ قہر خدا آنے والا ہے

شہزادگانِ عشق و ہوس کو خبر کرو
شہر طلسم ہوشربا آنے والا ہے

گمکشتگی کے دشت میں رہنا ہے عمر بھر
یا کوئی خضرِ سبز قبا آنے والا ہے

رنگت عجیب دشت کے سارے گلوں کی ہے
کیا کوئی انقلاب نیا آنے والا ہے

ہم تم تو رفتگاں کے مقابر کے پیرہن
آیندگاں پہ وقت برا آنے والا ہے

یہ خوش دلی یہ عشق وصداقت ہے چند روز
عہد طویل حرص وہوا آنے والا ہے

دجال عصر آئے گا یا مہدی زماں
کیا جانیے کہ غیب سے کیا آنے والا ہے

☆☆☆

یہاں تو لوگ حویلی محل بناتے ہیں
ہمارا کیا ہے جنوں میں غزل بناتے ہیں

تمام شہر فنا زاد ہے یہاں سب لوگ
خیال وخواب میں نقشِ اجل بناتے ہیں

یہ تجربات ہیں بالکل شریر بچوں سے
یہی بزرگوں کے چہروں پہ بل بناتے ہیں

قلم سے شوق کے منظر بنانے والے ہاتھ
گلِ ہوس بھی بہت بے بدل بناتے ہیں

حساب سود وزیاں سے انہیں علاقہ نہیں
جو گوشوارہ جاں آج کل بناتے ہیں

ہوا چلے نہ چلے ابر ادھر کو آئے نہ آئے
کوئی بھی فصل ہو ہم پھول پھل بناتے ہیں

☆☆☆

جدھر ہوا کی ضرورت نہیں ہوا ہے وہاں
جنھیں خدا کی ضرورت نہیں خدا ہے وہاں

زمیں پہ رہتے ہوئے بھی خلا میں ہیں ہم لوگ
جہاں خلا کی ضرورت نہیں خلا ہے وہاں

بس ایک عالم ہو سب دلوں کے اندر ہے
جدھر صدا کی ضرورت نہیں صدا ہے وہاں

یہ رینگتی ہوئی مخلوق مثل نور و ملخ
جسے وبا کی ضرورت نہیں وبا ہے وہاں

خدائے بندۂ بیچارگاں سے پوچھو کیوں
جہاں نوا کی ضرورت نہیں نوا ہے وہیں

☆☆☆

بستیاں چپ ، ہے مکاں بھی خاموش
ہم جو چپ ہیں تو جہاں بھی خاموش

دھوپ کا بوسۂ رخصت پاکر
پھول کا جسم بھی جاں بھی خاموش

ظلم و انصاف اضافی ہیں تمام
دل بھی خاموش زباں بھی خاموش

بجھ گئے روح کے سارے شعلے
ہوگیا دل کا دھواں بھی خاموش

اب کوئی عرصہ امکان نہیں
چپ یقیں بھی ہے گماں بھی خاموش

☆☆☆

تھی کبھی اپنی جگہ مسندِ شاہی کے قریب
دوسرے لوگ ہیں اب ظلِ الٰہی کے قریب

اب زمانے سے تعلق مرا یوں ہے جیسے
تیغ ٹوٹی ہوئی مجروح سپاہی کے قریب

میں تو سچ کہنے عدالت میں چلا آیا تھا
لرزہ مرگ سا طاری ہے گواہی کے قریب

یہ تو ہر دور میں ہوتا ہے سو اب بھی ہوگا
لوگ حاکم سے خفا شہر تباہی کے قریب

یہ فقط رسم ہے یا اور کوئی قصہ ہے
خار کیوں رکھتے ہیں سب آبلہ پاہی کے قریب

☆☆☆

نہ میرے ہاتھوں میں دم ہے نہ نم ہے تودۂ خاک
سو کس طرح ہو مجھے جسم و روح کا ادراک

یہ دھوپ ہے یہ بیاباں ہے یہ مسائل ہیں
مثالِ چوب ہی سوکھے گا دیدۂ نم ناک

شکستہ پیرہنی ورثۂ بزرگاں ہے
سو آج پھر کیے دیتا ہوں میں گریباں چاک

بہت عجب ہے طبیعت اداس لوگوں کی
کبھی غبی و پریشان تو کبھی چالاک

ترے بدن پہ ہیں اب تک گناہ کے ذرے
میں رو چکا ہوں مری روح ہوگئی ہے پاک

نہ لوگ مصر کی اک داستاں کو دہرائیں
اسی لیے نہیں کرتا تمہارا دامن چاک

☆☆☆

جلتے بجھتے ہوئے جگنو کی طرح زندہ ہیں
ہم بھی اس ملک میں اردو کی طرح زندہ ہیں

جانے کب تیر لگے جانے کہاں دم نکلے
دشتِ حالات میں آہو کی طرح زندہ ہیں

در بدر ہم کو پھراتی ہے بہت موجِ ہوا
گل سے نکلی ہوئی خوشبو کی طرح زندہ ہیں

دیکھتے خود کو رہیں بہتے ہوئے پانی میں
پا بہ گل سروِ لب جو کی طرح زندہ ہیں

اک نہ اک روز تہہ آب چلے جائیں گے
بحرِ زخار میں ٹاپو کی طرح زندہ ہیں

☆☆☆

دیارِ دل کا سفر نا تمام رہ گیا ہے
ستارہ بجھ کے سرِ بام شام رہ گیا ہے

بیاضِ عشق کو کرمِ فنا نے چاٹ لیا
ورق ورق پہ مگر ایک نام رہ گیا ہے

بجز فراغ ہے کیا آدمی کی آسانی
مگر ہمیں تو ابھی کتنا کام رہ گیا ہے

سفالِ وقت میں آمیزشِ کدورت ہے
ہمارے پاس فقط دل کا جام رہ گیا ہے

نمازِ شوق میں آتا ہے یاد یہ کس کو
کہاں رکوع و سجود و قیام رہ گیا ہے

غزل تو سب نے لکھی ہے مگر وہ شاعر ہے
کہ جس کے بعد بھی اس کا کلام رہ گیا ہے

☆☆☆

شب کو شراب پیجئے دن میں کتاب دیکھئے
غالب خستہ کی طرح جاگ کے خواب دیکھئے

سوچئے زندگی ہے کیا اور یہ سوچتے ہوئے
لوح تصورات پر لاکھوں جواب دیکھئے

باغ میں پھول ہیں مگر ان کی نمو ہے عارضی
خوف خزاں سے ماورا دل کا گلاب دیکھئے

کتنے جہان دار تھے کتنے کمان دار تھے
یعنی کتاب وقت میں عشق کا باب دیکھئے

اب تو ہر ایک ملک میں ان کے ہیں گھر بسے ہوئے
لائے ہیں انقلاب کیا خانہ خراب دیکھئے

عشق وہوس کا فیصلہ اور کسی پہ چھوڑئے
چہرۂ زرد دیکھئے چشم پُرآب دیکھئے

☆☆☆

میں تو کہتا تھا نہ ہو اس نے کہا ہو جائے
اب کے دل دشت میں کچھ رقص ہوا ہو جائے

ایک مدت سے ہر اک چیز پرانی ہے یہاں
گھر ہی تبدیل کرو کچھ تو نیا ہو جائے

یار بچھڑے ہیں تو محسوس کیا ہے میں نے
آسماں جیسے ستاروں کے بنا ہو جائے

کیا یہ دنیا اسی انداز سے چل پائے گی
آدمی کوئی اچانک جو خدا ہو جائے

چار چھ شعر جو لکھ دوں تو یہی لگتا ہے
سود در سود کوئی قرض ادا ہو جائے

☆☆☆

پرند اگرچہ ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں
شکاری اپنے نشانے بدلتے رہتے ہیں

زمین اپنی جگہ ہے مکین اپنی جگہ
یہاں تو صرف زمانے بدلتے رہتے ہیں

بدلتے رہتے ہیں حالات کی طرح رشتے
سو ہم بھی یار پرانے بدلتے رہتے ہیں

مکاں شریفوں نے تعمیر یہ کیا تھا کبھی
مگر اب اس میں گھرانے بدلتے رہتے ہیں

وہی ہیں آج بھی عشق وہوس کے سب کردار
فقط جنوں کے فسانے بدلتے رہتے ہیں

☆☆☆

پتھر پانی ہوجاتے ہیں
لوگ کہانی ہوجاتے ہیں

نئے نئے چہرے والے بھی
بات پرانی ہوجاتے ہیں

عشق کی رت میں سارے بھکاری
راجا رانی ہوجاتے ہیں

شام سے لُو کے جھونکے بھی
یوں سہانی ہوجاتے ہیں

سکھ کا موسم جب آتا ہے
جسم بھی پانی ہوجاتے ہیں

سوکھے پتے گئی رتوں کے
نئی نشانی ہوجاتے ہیں

ہم تو اس کی باتیں سن کر
پانی پانی ہوجاتے ہیں

☆☆☆

اپنے ہی وار ہیں سہنا مجھ کو
اپنی ہی موج میں بہنا مجھ کو

شہر در شہر ہیں خوشبو کا سفر
کس جگہ چین سے رہنا مجھ کو

گردشِ وقت کہاں بیٹھی ہے
میں بھی اک چاند ہوں گہنا مجھ کو

برگِ تنہا نے کہا تنگ آکر
اب نہیں شاخ پہ رہنا مجھ کو

میری غزلیں مری پہچان ہیں یار
اور کچھ بھی نہیں کہنا مجھ کو

☆☆☆

وہ آدمی جو ملن کی دعائیں دیتا ہے
پرانے زخم کو تازہ ہوائیں دیتا ہے

جو دوریوں کی خزاں میں جھلس چکا ہوں میں
تو کیوں وصال کا موسم صدائیں دیتا ہے

تمہارے شہر کے منصف کا دل ہے پتھر سا
ذرا سے جرم کی لمبی سزائیں دیتا ہے

نہ جانے کتنی بہاروں کا جس سے ہے رشتہ
وہ گل کو رنگ کلی کو ادائیں دیتا ہے

سیاہ ابر تو کب کا گزر چکا اسعدؔ
سلگتا دشت ابھی تک صدائیں دیتا ہے

☆☆☆

شفق کے خون سے دریا سہانے ہوتے جاتے ہیں
مری مجبوریاں ان کے بہانے ہوتے جاتے ہیں

مری سانسوں کے سارے چاند تارے بجھ گئے جاناں
ترے ہونٹوں کے سب بوسے پرانے ہوتے جاتے ہیں

اداسی داستانوں کی طلسمی شاہزادی ہے
جدھر جاتی ہے سب اس کے دیوانے ہوتے جاتے ہیں

ہوائیں طائروں کی ہجرتوں پہ بین کرتی ہیں
جدا پیڑوں سے پھر بھی آشیانے ہوتے جاتے ہیں

☆☆☆

دیارِ عشق کی شمعیں جلا تو سکتے ہیں
خوشی ملے نہ ملے مسکرا تو سکتے ہیں

ہمیشہ وصل میسر ہو یہ ضروری نہیں
دو ایک دن کو ترے پاس آ تو سکتے ہیں

جو رازِ عشق ہے ان کو چھپائیں گے لیکن
جو داغِ عشق ہیں سب کو دکھا تو سکتے ہیں

ہم امتحان میں ناکام ہوں یہ رنج نہیں
اسی میں خوش ہیں کہ وہ آزما تو سکتے ہیں

نسیمِ صبح کے جھونکے ہیں خوشگوار مگر
کبھی کبھی یہ دلوں کو دکھا تو سکتے ہیں

یہی بہت ہے کہ اس خار زار دنیا میں
تجھے ہم اپنے گلے سے لگا تو سکتے ہیں

☆☆☆

یہ زندہ رہنے کا موسم گزر نہ جائے کہیں
اب آبھی جاؤ دلِ زار مر نہ جائے کہیں

مرا ستارا تو اب تک نظر نہیں آیا
میں ڈر رہا ہوں کہ یہ شب گزر نہ جائے کہیں

ندی کنارے کھڑا پیڑ سوچ میں گم ہے
کوئی بھنور اسے برباد کر نہ جائے کہیں

پرندے اپنے ٹھکانوں کو خیر سے پہنچے
دعا یہی ہے کہ کوئی ٹھہر نہ جائے کہیں

گلہ بھی خود سے ہے اور سلسلہ بھی خود سے ہے
ہماری بات اِدھر سے اُدھر نہ جائے کہیں

☆☆☆

میں کسی کھیت سے کب فصل زیاں کاٹتا ہوں
اپنے بوئے ہوئے خوابوں کے جہاں کاٹتا ہوں

مرے پتوار سلامت مری آنکھیں روشن
ناؤ میں بیٹھا ہوا آبِ رواں کاٹتا ہوں

یہ تو اس دہر میں ہوتا ہی چلا آیا ہے
میں نے بویا تھا یقیں اور گماں کاٹتا ہوں

کہیں سچائی زمینوں پہ نہ ظاہر ہوجائے
ساحلی ریت سے لہروں کا بیاں کاٹتا ہوں

ایک تیشہ ہے مرے پاس کہیں ٹوٹ نہ جائے
وسوسے ذہن میں ہیں سنگِ گراں کاٹتا ہوں

انجمن میں تری کیا کام ملا ہے مجھ کو
گل کترتا ہوں چراغوں سے دھواں کاٹتا ہوں

☆☆☆

اگر خاکے تمنا کے مکمل ہوگئے ہوتے
ذرا سی دیر میں سب مسئلے حل ہوگئے ہوتے

کبھی دل چاہتا ہے جنگلوں میں بستیاں ہوتیں
کبھی دل چاہتا ہے شہر جنگل ہوگئے ہوتے

بہت خوش ہیں دِوانے بادلوں کی ہوشیاری پر
برس جاتے تو ویرانے بھی جل تھل ہوگئے ہوتے

اجالے بس ترے چہرے کی شادابی تلے رہتے
اندھیرے بس تری آنکھوں کا کاجل ہوگئے ہوتے

فضائے دشت میں کتنا سکوں ہے ایک مدت سے
ہمارے بعد بھی کچھ لوگ پاگل ہوگئے ہوتے

☆☆☆

زمیں کو آسماں لکھا گیا ہے
یقینوں کو گماں لکھا گیا ہے

جو کہنا تھا کبھی منہ سے نہ نکلا
جو لکھنا تھا کہاں لکھا گیا ہے

اداسی کا قصیدہ اس برس بھی
سرِ دیوارِ جاں لکھا گیا ہے

چراغوں کو ہواؤں کا پیمبر
خموشی کو زباں لکھا گیا ہے

مرے لفظوں سے اتنی برہمی کیوں
بہت کچھ رائیگاں لکھا گیا ہے

☆☆☆

ہر شخص دوسرے سے جدا کیوں ہے کچھ بتاؤ
اتنا ہجوم صوت وصدا کیوں ہے کچھ بتاؤ

رنج دلی بھی کوئی نہیں عشق بھی نہیں
پھر اضطراب میں یہ ہوا کیوں ہے کچھ بتاؤ

میرے لیے وجود و عدم دونوں ایک ہے
یہ جبر کس لیے ہے خدا کیوں ہے کچھ بتاؤ

یہ چاند آسمان کے چہرے کا تل ہے کیا
تل ہے تو اس میں اتنی ضیا کیوں ہے کچھ بتاؤ

میں تو فقط فریب نظر کا شکار ہوں
یہ پھول کس لیے ہے کھلا کیوں ہے کچھ بتاؤ
☆☆☆

ہوا اداس ہے سر سبز جنگلوں میں بھی
سکوں کہاں ہے چمکتے ہوئے گھروں میں بھی

لرزنے لگتے ہیں دیوار و در مکانوں کے
عجیب خوف سا شامل ہے دستکوں میں بھی

فضائے یاد کا منظر کہاں ہوا تبدیل
پرانے زخم ہی مہکے نئی رتوں میں بھی

وہ مسکراتے ہوئے موسموں کی شہزادی
کبھی تو آئے اداسی کی وادیوں میں بھی

کبھی اتارا تھا میں نے بھی شاخ سے اک پھول
بہت سے کانٹے چبھے میری انگلیوں میں بھی

☆☆☆

ذرا سی بات پہ لوگ انجمن بجھاتے ہیں
سو ہم ہی اپنا چراغِ سخن بجھاتے ہیں

ہوائے عشق گھنے جنگلوں میں چلتی ہے
ستارے جھیل میں گر کر تھکن بجھاتے ہیں

جزیرۂ دل و جاں تک نہ آئے گا وہ جہاز
یہ آگ ہے جو برائے سخن بجھاتے ہیں

نہ میرے خون میں گرمی نہ تیرے جسم میں رنگ
سو اب چراغِ ہوس جانِ من بجھاتے ہیں

بڑے جتن سے جلائی گئی تھی سینوں میں
یہ آگ اب جسے اہلِ وطن بجھاتے ہیں

☆☆☆

جسے میں چاہتا ہوں وہ مجھے حاصل نہیں ہوتا
چلو اچھا ہے کوئی راستہ منزل نہیں ہوتا

یہاں ہر شخص اپنے آپ کو خود قتل کرتا ہے
سزا کس کو ملے جب دوسرا قاتل نہیں ہوتا

خمیرِ خواب سے تشکیل پا جائے کوئی صورت
اسی امید پر میں نیند سے غافل نہیں ہوتا

بدن تو چاہتا ہے رتجگوں کی دستکیں سننا
مگر آمادہ ایسا چاہتوں پر دل نہیں ہوتا

اسی باعث تو دنیا کی نظر لگتی ہے رہ رہ کر
خوشی کے دلربا چہرے پہ کوئی تل نہیں ہوتا
☆☆☆

زمیں کے جسم پہ عیار گھر اٹھاتے ہیں
شریف لوگ تو رنجِ سفر اٹھاتے ہیں

نہ دنیا دار ہیں پوری طرح نہ ہم بیزار
یہ بوجھ اٹھ نہیں سکتا مگر اٹھاتے ہیں

یہ سوچتے نہیں انجام اس کا کیا ہوگا
منافقوں میں کوئی بات اگر اٹھاتے ہیں

کہو کہ خیر نہیں آج تختِ شاہی کی
قدم جو چوم رہے تھے وہ سر اٹھاتے ہیں

فساد وقتل و زنا سے بھرے ہیں سب اخبار
خبر نویس کہاں سے خبر اٹھاتے ہیں

☆☆☆

لکھے ہوئے کو بھلا کون ٹال سکتا ہے
خدا ہی چاہے تو رستہ نکال سکتا ہے

خفا جو آج ہے کل وہ کسی بہانے سے
گلے میں پھول سی باہیں بھی ڈال سکتا ہے

یہ آدمی کہ ہے جس کا لباس صاف بہت
کسی بھی شخص پہ کیچڑ اچھال سکتا ہے

گرا بھی سکتا ہے بامِ بلند سے تم کو
وہی جو گرتے ہوؤں کو سنبھال سکتا ہے

میں اہلِ دنیا سے کس چیز کا سوال کروں
مرا خدا مرے بچوں کو پال سکتا ہے

☆☆☆

ہرذرۂ خاکی کو گہر میں نہیں کہتا
تم جو بھی کہو ٹھیک مگر میں نہیں کہتا

یہ لوگ تو جگنو کو بھی مہتاب بنادیں
بجھتے ہوئے شعلے کوشرر میں نہیں کہتا

گرتے ہوئے پتوں سے نہیں ہے مجھے نسبت
بوسیدہ درختوں کو شجر میں نہیں کہتا

جب تک نہ ہوں دوچار محبت کے دریچے
زنداں تو سمجھتا ہوں پہ گھر میں نہیں کہتا

دستار بچانے کے لیے خم ہو ہمیشہ
ہے بھیک کا کاسہ اسے سر میں نہیں کہتا

سیلاب ترقی کا بہا لے گیا نسلیں
اخبار میں آئی ہے خبر میں نہیں کہتا

☆☆☆

ہاتھ باندھے ہوئے الفاظ کھڑے رہتے ہیں
اور مضمون تو چوکھٹ پہ پڑے رہتے ہیں

کھڑکیاں ہیں نہ دریچے نہ ہواؤں کا گزر
ان مکانوں میں مگر لوگ بڑے رہتے ہیں

اک تعلق ہے کسی درد کا دل کے ہمراہ
جیسے زیور میں نگینے بھی جڑے رہتے ہیں

کیا جری لوگ ہیں احباب میں شامل اپنے
جو نہ کر پائیں وہ کرنے پہ اڑے رہتے ہیں

اک سفر ہے کہ کبھی ختم نہ ہوگا شاید
اپنی آنکھوں میں سدا کوس کڑے رہتے ہیں

اپنا کیا ہے کہ فقط رقص انا دیکھنے کو
ہم ہر اک صاحب منصب سے لڑے رہتے ہیں

اپنے حجرے سے فقیری کی سند لینے کو
آج بھی صاحب اعزاز کھڑے رہتے ہیں

☆☆☆

سرِ دشتِ نامرادی کوئی خار مر گیا ہے
مری وحشتوں کا ساتھی مرا یار مر گیا ہے

کبھی شانِ دلربائی کبھی طرزِ کج ادائی
جسے زیب تھیں ادائیں، طرح دار مر گیا ہے

نہ بہار کا پتہ ہے نہ خبر ہے بارشوں کی
کوئی آدمی مرا ہے کہ دیار مر گیا ہے

وہ ہوس کا دیوتا تھا مگر عشق آشنا تھا
اسے موت آگئی ہے کہ قرار مر گیا ہے

☆☆☆

آئندگاں کے دل میں چبھن چھوڑ جاؤں گا
بس راستوں پہ اپنی تھکن چھوڑ جاؤں گا

میں مہر وماہ تو نہیں بجھتا چراغ ہوں
کس آسماں پہ اپنی کرن چھوڑ جاؤں گا

خود مجھ میں کب ہے اتنی وفا اتناسوز عشق
میں کس کے دل میں اپنی چبھن چھوڑ جاؤں گا

میں جانتا ہوں میرے لیے کیا کریں گے لوگ
ہر خوش گماں کوخود میں مگن چھوڑ جاؤں گا

میں کوفۂ نفاق و ندامت میں یادگار
سوز غم حسین و حسن چھوڑ جاؤں گا

پہنچے گی میرے بعد بہت فصل منفعت
میں تو زیاں رتوں کے چلن چھوڑ جاؤں گا

اس آب وگل کے دشت کی کچھ سیر دیکھ کر
سب کی طرح یہ قصر بدن چھوڑ جاؤں گا

نان جویں سے لقمۂ تر کی تلاش میں
اک روز میں بھی ارض وطن چھوڑ جاؤں گا

افواہ جیسے اپنی ہی قوت سے پھیل جائے
کیااس طرح کا کوئی سخن چھوڑ جاؤں گا

☆☆☆

کھلے ہیں دشت میں نفرت کے پھول آہستہ آہستہ
سروں تک آتی ہے قوموں کی دھول آہستہ آہستہ

ابھی کچھ دن لگیں گے موسموں کا بھید پانے میں
بدل جائیں گے یاروں کے اصول آہستہ آہستہ

زیاں کا کوئی رشتہ عمر بھر قائم نہیں رہتا
سو مٹ جاتا ہے ہر شوق فضول آہستہ آہستہ

مجھے جرم ہنر مندی کا قائل ہونے دو پہلے
میں ہر الزام کر لوں گا قبول آہستہ آہستہ

یہ دھرتی ایک دن بنجر زمیں بن جائے گی جاناں
گلابوں کی جگہ لیں گے ببول آہستہ آہستہ

☆☆☆

کار سرکار نہ مداحِ سرکار کے ہم
ہاں مسافر ہیں کسی دجلۂ دشوار کے ہم

مہرباں ہم پہ نہ پہلے تھا نہ وہ آج ہوا
اب یہ کس منہ سے بتائیں کہ نہیں یار کے ہم

اجنبی دھوپ میں جلتے ہیں تو یاد آتا ہے
آشنا بھی تھے کسی سایۂ دیوار کے ہم

کھیتیاں بہہ گئیں آبادیاں غارت ہو گئیں
پھر بھی مرہون کرم دیدۂ خونبار کے ہم

صرف دریا ہی تو ہے بیچ میں دونوں کا گواہ
تم جو اس پار کے باسی ہو تو اس پار کے ہم

☆☆☆

صبح کے نیزے پر سورج کا سر روشن
ایک دیئے کی چیخ سے سارا گھر روشن

ایک تھکی دوپہر بدن کا سرمایہ
ایک فسردہ شام سے یاد نگر روشن

صحرا میں کچھ دھول کی لہریں رقص کناں
بستی میں کچھ ننھے منے گھر روشن

وادی میں اک گہری لمبی تاریکی
کہساروں پر کچھ دشمن لشکر روشن

ایک دھنک ہر منظر نامے کا حصہ
ایک چمک سے سارے بحر و بر روشن

دیوانوں کا قحط نہیں ہے شکر کرو
صحرا اب بھی ہوتے ہیں اکثر روشن

☆☆☆

بچا کے میں نے رکھا کچھ نہ میرے بچوں نے
دھنک سے عشق کیا ہے تمام اچھوں نے

زمام کار کو پکڑے ہوئے ہیں سختی سے
کہ پختگی کو ہی ترجیح دی ہے کچوں نے

میں پہلوان زماں کو بھی کچھ نہ جانتا تھا
یہ مجھ کو ناپ دیا چھوٹے بچوں نے

یہ راہ عشق سواری سے طے نہیں ہوگی
بلند وپست برابر کیے ہیں دھچوں نے

میں آبشار کی مانند سجدہ کرتا ہوں
مجھے بتادیا شاطر عدو کے نچوں نے

مرید مکر و ریا ہوگیا یہ سوچ کے بس
جہاں میں کچھ نہیں پایا کسی بھی سچوں نے

☆☆☆

کس قدر لوگ ہیں اک لفظ کی رسوائی کو
پر کوئی دل سے نہیں مانتا سچائی کو

دست وحشت کو گریبان تک آنے نہ دیا
مسئلہ ہم نے بنایا نہیں تنہائی کو

غور دنیا پہ اگر کرتے تو پاگل ہوتے
دیکھتے رہتے ہیں اس دشت کی پنہائی کو

اپنا کیا ہے کہ بہر طور بسر کرلیں گے
تو سلامت رہے ہر انجمن آرائی کو

درد جسموں سے جگانے کو نہ اب کچھ ہوگا
مشغلہ اورکوئی چاہیے پروائی کو

شعر کہنے کی سعادت نہیں سب کو حاصل
یوں تو ہم جیسے بہت قافیہ پیمائی کو

☆☆☆

تھے رابطے جہاں سے جنوں میں کمی بھی تھی
ان سب کے درمیان کہیں زندگی بھی تھی

ہم نے شب گناہ جلایا نہیں چراغ
اس کے بدن میں رنگ بھی تھا روشنی بھی تھی

اب جس پہ چند سوکھے ہوئے برگ ہیں جناب
پہلے یہ شاخ ربط و تعلق ہری بھی تھی

ہر آنکھ میں چمکتے ہوئے آرزو کے چاند
لیکن وہ رات درد میں ڈوبی ہوئی بھی تھی

دنیا سے ہم نہ تیری طرح عشق کر سکے
اس کا سبب مزاج بھی تھا شاعری بھی تھی

☆☆☆

شغل دل چھوڑ دیا کار جنوں چھوڑ دیا
کیا یہ بچوں سے کہا جائے کہ کیوں چھوڑ دیا

آبخورے کی ضرورت تھی سبو سے بڑھ کر
خم کو خاموش تو ساغر کو نگوں چھوڑ دیا

میں نے ساحر سے کہا تھا کہ مجھے چھوڑ کے دیکھ
اس نے پھر آتش و آہن کا فسوں چھوڑ دیا

لب و رخسار کے دلچسپ علاقوں کے قریب
تجھے آزاد مجھے خوار و زبوں چھوڑ دیا

میں تو اجداد کی مٹی سے ہی پابستہ ہوں
میرے بچوں نے مرے شہر کو کیوں چھوڑ دیا

مجھے افلاک ہوس پار کئی کرنے تھے
میں نے احباب کو یوں خوار و زبوں چھوڑ دیا

☆☆☆

اک عدد ہم نے عشق فرمایا
اور پھر زیست کا مزا پایا

اپنا جھگڑا جہاں میں سب سے ہے
کیوں شماتت کرے نہ ہم سایا

نقد اشعار بے ضرر کے سوا
ہم نے رکھا نہ کوئی سرمایا

ہم غبی ہیں ہماری قدر کرو
ہوش مند و عجیب دور آیا

قوسیں اشعار میں بنائیں مگر
تیرے کولہے کوئی بنا پایا

اس نے ہم سے کہا کہ شعر کہو
یہ نہ سوچو کسے نہیں بھایا

کل کوئی احمق الذی شاید
مستند کردے سارا فرمایا

☆☆☆

شاعر جو غزل بکھانتے ہیں
تجھ لب کی صفت بھی جانتے ہیں

نقصان میں بس وہی رہیں گے
یاروں کا کہا جو مانتے ہیں

کب بھیڑ کاسامنا کریں گے
اخبار میں جو بیانتے ہیں

ہر شہر منافقوں کی جنت
ہم پست و بلند جانتے ہیں

شہروں سے جنوں مٹانے والے
اب دشت کی خاک چھانتے ہیں

ہم کیسے لکھیں کوئی حقیقت
احباب تو جھوٹ مانتے ہیں

دیکھا ہے جہاں کو جس قدر بھی
کھلتا ہے کہ کم ہی جانتے ہیں

☆☆☆

طناب خیمہ جاں ٹوٹنے ہی والی ہے
سو دشت شوق بھی خوش منظری سے خالی ہے

بچھڑنے والوں سے آباد ہے خرابۂ دل
اگرچہ بستی انھوں نے الگ بسالی ہے

رہو گے ٹھیک تو کل چہرے مل سکیں گے بہت
کسی کے ہجر میں یہ شکل کیا بنالی ہے

ہمیں کسی سے کبھی کوئی واسطہ کب تھا
ہمارے ذہن میں تصویر اک خیالی ہے

ذرا سی دیر میں سچ جھوٹ، جھوٹ سچ ہو جائے
یہی بجا ہے کہ دنیا بہت نرالی ہے

تمام کوفہ و بغداد استعارے ہیں
منافقت میں تو یہ شہر بھی مثالی ہے

☆☆☆

ہر مریض سخن کو نسخہ تیز
شاعری ہے کہ دست عنبر بیز

تشنگان سخن کے کاموں کو
کرتا ہوں غور وفکر سے لبریز

خشک ٹہنی سے ہے نمو کی امید
اسپ امکان کے لیے مہمیز

ندیاں نہریں گاؤں کھیت مکاں
یہ مناظر نہیں ہیں کیا گلریز

وادیوں میں اپسرائیں ہیں
چل رہی ہے ہوائے ہجراں تیز

ندی چپ چاپ رخ بدلتی ہے
وقت ہے تیزگام و آتش خیز

مشرقی شعریات کے رس سے
اس بدن کی مہک ہے خاصی تیز

شعر پڑھتے نہیں تو سمجھیں کیا
ہم سے کچھ لوگ ہیں جو کم آمیز

جشن ہوتے رہیں محبت کے
سب پڑھیں داستان دل آویز

یوں ہی جاری رہے یہ جوئے سخن
یوں ہی چلتا رہے یہ دریا تیز

☆☆☆

سب اک چراغ کے پروانے ہونا چاہتے ہیں
عجیب لوگ ہیں دیوانے ہونا چاہتے ہیں

نہ جانے کس لیے خوشیوں سے بھر چکے ہیں دل
مکان اب یہ عزا خانے ہونا چاہتے ہیں

وہ بستیاں کہ جہاں پھول ہیں دریچوں میں
اسی نواح میں ویرانے ہونا چاہتے ہیں

تکلفات کی نظموں کا سلسلہ ہے سوا
تعلقات اب افسانے ہونا چاہتے ہیں

جنوں کا زعم بھی رکھتے ہیں اپنے ذہن میں ہم
پڑے جو وقت تو فرزانے ہونا چاہتے ہیں

☆☆☆

رونے نہیں دیتا ہے سسکنے نہیں دیتا
دریا کو کناروں سے چھلکنے نہیں دیتا

یہ کون مہذب مرے دل میں اتر آیا
گھبراؤں تو وہ گالیاں بکنے نہیں دیتا

وہ مجھ کو پلاتا ہے مرے ظرف سے بڑھ کر
مستی میں جو آؤں تو بہکنے نہیں دیتا

یہ شب یہ ہوس مل کے اٹھائیں گے قیامت
کیوں اپنا بدن یار دمکنے نہیں دیتا

ہر شام کوئی مجھ سے چلا آتا ہے ملنے
تنہائی کے پھولوں کو مہکنے نہیں دیتا

وہ شعر کا میداں ہو کہ ہو عشق وسیاست
دشمن کو کسی جگہ چمکنے نہیں دیتا

☆☆☆

دل تو کہتا تھا کہ جھونکا کوئی خوشبو کا بھی ہو
میں نے سوچا کہ اشارہ ترے ابرو کا بھی ہو

دشت میں پھول کھلیں سبزہ بھی ارزاں ہو جائے
لیکن اس میں کوئی حصہ مرے آہو کا بھی ہو

میں حقیقت کی کڑی دھوپ کا خوگر ہوں مگر
میری راتوں میں اجالا کسی جگنو کا بھی ہو

رات کی بات اندھیرے میں نہ رکھی جائے
تذکرہ دن میں یقیناً گل شب بو کا بھی ہو

کشتی جاں کو چلاتے ہوئے اک عمر ہوئی
اب تو نظارہ دلچسپ لب جو کا بھی ہو

☆☆☆

دریائے حادثات کا پانی ہے اور ہم
لہروں میں اک عجیب کہانی ہے اور ہم

دنیا کو چھوڑتے ہوئے منہ موڑتے ہوئے
آنکھوں میں عکس عالمِ فانی ہے اور ہم

ہم سے فقیر تجھ کو سنائیں تو کیا سنائیں
اک داستان یاد پرانی ہے اور ہم

سارے وزیر تاک میں ہیں فتنہ گھات میں
دربار میں وہ شاہ زمانی ہے اورہم

شہر منافقاں میں رہائش کے باوجود
زندہ ہماری شعلہ بیانی ہے اور ہم

☆☆☆

آنکھ میں خواب بھی نہیں روح پہ قہر ہے کوئی
اب کے ہوائے شہر میں اور ہی زہر ہے کوئی

وسعتِ ریگزار میں یوں ہی نہیں ہیں قافلے
سر میں کوئی جنون ہے آنکھ میں شہر ہے کوئی

عشق کی آبنائے کو دیکھ کے فیصلہ کریں
کوئی وصال کا بھنور ہجر کی لہر ہے کوئی

میرے قدم کا منتظر میری طلب میں سرگراں
اور ہی آسمان ہے اور ہی دہر ہے کوئی

دشت و دیار خوب ہیں اہل و عیال خوب ہیں
یہ بھی مگر بتایئے قریۂ مہر ہے کوئی

☆☆☆

منسوخ صحیفوں سے عبادت نہیں ہوتی
یہ سچ ہے تو کیوں کہنے کی جرأت نہیں ہوتی

مجھ میں بھی وہ خواہش کے شگوفے نہیں کھلتے
اور اس کو بھی اب میری ضرورت نہیں ہوتی

اب کوئی سفر باعث عبرت نہیں بنتا
اب کوئی زمیں قریۂ حیرت نہیں ہوتی

اجداد کے قصوں میں شجاعت تو بہت ہے
زندہ مگر ان سے مری غیرت نہیں ہوتی

اک پھول سا چہرہ کہ جو مرجھایا ہوا ہے
اوراس کے سوا کوئی قیامت نہیں ہوتی

☆☆☆

حشر کرنا ہے بپا یار کے جاتے جاتے
فصل چشم ولب ورخسار کے جاتے جاتے

دکھ کے دوچار چراغوں کوجلالیں ہم بھی
صبح سے قبل شب تار کے جاتے جاتے

پھر یہ نظارے نگاہوں کوملیں یا نہ ملیں
دیکھ لیں نرگس بیمار کے جاتے جاتے

ہم بھی دوچار عزیزوں کا بھلا کر جائیں
سر سے اس گنبددستار کے جاتے جاتے

اک دکاں کھولیں جہاں عشق وہوس ملتے ہوں
ہاں مگر گرمی بازار کے جاتے جاتے

کاش ایک آدھ غزل ہم بھی مکمل کرجائیں
ذہن سے خواہش اشعار کے جاتے جاتے

☆☆☆

ہم فقط لقمہ تر اور شکم جانتے ہیں
عشق کو اپنی تمناؤں سے کم جانتے ہیں

تم نہ سمجھو گے زمانے کے مسائل کیا ہیں
دنیا داری ہمیں آتی ہے سو ہم جانتے ہیں

ہم بھی رکھتے تھے کبھی سر کو بلندی کی طرف
اب مصاحب ہیں سو بس شہ کے قدم جانتے ہیں

ہیں جو غالب کے طرفدار سو اس نسبت سے
ہم بھی اس طرۂ پر پیچ کے خم جانتے ہیں

شہر کی رات ہے سورج سے زیادہ روشن
لوگ سونے کو یہاں خواب عدم جانتے ہیں

ہم سوالی ہیں مگر ایک ہی دروازے کے
اور یہ بات سبھی اہل کرم جانتے ہیں

☆☆☆

مری طرف بھی تنی ہے کمان غم زدگاں
مجھے بھی ڈھونڈتا ہے آسمان غم زدگاں

نہ جانے آج ہے کس آسمان پر روشن
وہ اہل ہجر کا ساتھی وہ جان غم زدگاں

انہیں بتادیا میں نے پتہ غنیموں کا
بلائیں ڈھونڈ رہی تھیں مکانِ غم زدگاں

نہ روشنی کا تصور ۔ نہ تیرگی کا خیال
تمام ایک ہیں روز و شبانِ غم زدگاں

یہ غم زدہ ہیں کسی دوسرے قبیلے کے
سو آپ عیش کریں مہربانِ غم زدگاں

☆☆☆

شغلِ رندی و ہوسناکی تو کم کردیا ہے
چند یادوں نے مگر ناک میں دم کردیا ہے

یہ نہیں سوچاکہ کیا سوچیں گے آنے والے
دل میں جو کچھ تھا سو کاغذ پہ رقم کردیا ہے

عشق کی جنگ میں مرتے ہوئے جانبازوں نے
اپنے ہی دستِ بریدہ کو علم کردیا ہے

مسئلہ اہل محبت کے لیے ہے تو رہے
اپنی دانست میں اس نے تو کرم کردیا ہے

یوں تو یہ اشک تھے پھولوں کی جبینوں کے لیے
لمسِ شبنم نے مراجسم بھی نم کردیا ہے

شاید اس راکھ میں چنگاری کوئی زندہ ہو
اب سلگنے کا عمل پہلے سے کم کردیا ہے

☆☆☆

سفر سفر تھا پہ مجھ کو گراں زیادہ نہ تھا
وہ دن کہ زرد مرا برگ جاں زیادہ نہ تھا

شجر گرے نہیں بتلاؤ کن دیاروں میں
ہوا کا زور عزیزو کہاں زیادہ نہ تھا

اسے بھی شوق نہ تھا مجھ سے جنگ کرنے کا
لہو بھی میری رگوں میں رواں زیادہ نہ تھا

شجر کو موت بھی آئی تو ایسے موسم میں
کہ جن دنوں اسے خوف خزاں زیادہ نہ تھا

وہ دور چشمِ مسافت زدہ نے دیکھا ہے
جب آگ تھے جنگل دھواں زیادہ نہ تھا

جولوگ راتوں کو جاگتے تھے

ستارے جتنے بھی آسماں پر
مری تمنا کے ضوفشاں تھے
زمیں کے اندر اتر گئے ہیں
جولوگ راتوں کو جاگتے تھے، وہ مر گئے ہیں
وہ پھول وہ تتلیاں کہ جن سے
بہار کی دلکشی سوا تھی
وہ رزق خاشاک بن چکے تھے
تمام منظر تمام چہرے، جو دھیرے دھیرے سلگ رہے تھے
سواب وہ سب راکھ بن چکے ہیں
میں رفتگاں کی اداس یادوں، کے سائے میں دن گزارتا ہوں
اگرچہ خوابوں کا پیرہن تار تار سا ہے
یہ میں اسے کب اتارتا ہوں
مری صدا کا جواب اب کوئی بھی نہ دے گا

یہ جانتا ہوں مگر مسلسل کسی کو اب تک پکارتا ہوں
عجیب یہ کھیل ہے کہ جس کو نہ جیتتا ہوں نہ ہارتا ہوں
مری کہانی میں کوئی شے بھی نئی نہیں ہے
یہ ننھے منے حسین خوابوں سے ہے عبارت
مری کہانی میں نرم دن خوشگوار شاموں
اداس راتوں کی ایک رو ہے
وجود میرا کسی دیئے کی حقیر لو ہے
میں یوں تو کہنے کو عقل و منطق کے دور کا آدمی ہوں لیکن
مراد یہ ہے، زندگی کو گزارنے کا بہت پرانا
میں سوچتا ہوں کہ اک صدی قبل پیدا ہوتا تو ٹھیک رہتا
کہ مجھ سے کوئی بھی کچھ نہ کہتا
جو خاک کا رزق ہو چکے ہیں
میں ان زمانوں کا نوحہ گر ہوں
وصال و ہجراں کی داستانوں کا نوحہ گر ہوں
جنھیں یہ دنیا ہزار ہا بار سن چکی ہے

☆☆☆

شامِ زرنگار

یہ جو شامِ زرنگار ہے
ایک اداس چاند سے لگاؤ کے دنوں کی یادگار ہے
میں منظروں سے سرسری گزرنے والا شخص تھا
یونہی سی ایک شام تھی اور ایک جھیل تھی
کہ جس میں اس کا عکس تھا
سو میں وہیں ٹھہر گیا
وہ چاند میرے سارے جسم میں اتر گیا
یہ ایک ہجر جو ازل سے میرے، اس کے درمیان تھا
مگر عجب جنون تھا جو چاہتا تھا
دوریوں کو توڑ دے
لگامِ اسپ آسماں زمیں کی سمت موڑ دے
اچانک ایک صبح میری آنکھیں بجھ گئیں
یا اداس چاند کو سحر نگل گئی
یہ جو شامِ زرنگار ہے
ایک اداس چاند سے لگاؤ کے دنوں کی یادگار ہے

☆☆☆

ایک نظم

زلزلوں سے نہ گرَیں جاں کی فصلیں اپنی
آندھیاں لوٹ گئیں در سے جبیں ٹکرا کر
دل سمندر میں اٹھے سیکڑوں طوفان مگر
اک جزیرے میں ہر ایک آرزو محفوظ رہی
دل کہ گہوارہ ہے نارستہ تمناؤں کا
دل کہ شیرازہ ہے دنیاؤں کا
ہم اسی دل کی پرستش میں لگے ہیں اب تک
کاسہ شوق مگر خالی ہے
رات تاریک ہے متوالی ہے

☆☆☆

ایک بڑے شہر کا چھوٹا منظر

گھنٹیاں بج اٹھیں
جاگنے سب لگے
سب مسافر سفر پر روانہ ہوئے
شور ہے شور ہے اک عجب شور ہے
چمنیاں زہر پھر سے اگلنے لگیں
موٹریں راستوں پر پھسلنے لگیں
شور ہے......................
ہر دکاں شہر کی پھر سے سجنے لگی
آفسوں کالجوں کارخانوں کی سمتوں میں
جاتے ہوئے آدمی
اپنے چہروں پہ سب کی کہانی لیے
چھپ کے اخبار سڑکوں پہ بکنے لگے
کتنے بچے لگے کیو میں اسکول کی بس کے ہیں منتظر
دوڑتی، بھاگتی، مسکراتی ہوئی، ادھ پکی لڑکیاں
ماڈرن نوجواں رکشے، تانگے ٹرک اور اسکوٹریں

☆☆☆

تلخیاں

چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں میں شہر کے
مضطرب دل کی تسلی کے لیے
آنے والے کل کے منصوبوں میں گم
چند انساں
چائے ''سپ'' کرتے ہوئے
پی رہے ہیں
سارے دن کی تلخیاں

☆☆☆

بارش کی نظم

یہ منحوس بارش
جواں سال گیہوں کے دانوں کو
کیچڑ کا حصہ بنانے
مرے گاؤں میں ہر برس کی طرح
آج پھر آ گئی ہے
وہ گیہوں کے خوشے جو کھلیان میں
دھوپ کے دیوتا کی عبادت میں
مصروف تھے
ان کو بارش نے آغوش میں لے لیا ہے
ہر اک کھیت میں کتنا پانی بھرا ہے
بھوک اپنی مٹا کر
یہ بارش چلی جائے گی
اور سب کھیت خالی کے خالی رہیں گے
میں نے بارش کے چہرے پہ لکھا ہر اک واقعہ
پڑھ لیا ہے

☆☆☆

پاگل ہوائیں

یہ موسم یونہی قہر ڈھاتا رہے گا
ہوائیں یونہی سنسناتی رہیں گی
ہر اک راہ پر خاک اڑاتی رہیں گی
درختوں کے پتے گراتی رہیں گی
ہر اک آنکھ میں دھول بھرتی رہیں گی
ہر اک کھیت پامال کرتی رہیں گی
یہ پاگل ہوائیں انہیں کون روکے
غلط کاریوں پر کوئی کیسے ٹوکے

☆☆☆

ایک نظم

کون سوچے کہ سورج کے ہاتھوں میں کیا ہے
ہواؤں کی تحریر پڑھنے کی فرصت کسی کو نہیں
کون ڈھونڈے
فضاؤں میں تحلیل رستہ
کون گزرے سوچ کے ساحلوں سے
خواہشوں کی سلگتی ہوئی ریت کو
کون ہاتھوں میں لے
کون اترے سمندر کی گہرائیوں میں
چاندنی کی جواں انگلیوں میں
انگلیاں کون ڈالے
کون سمجھے مرے فلسفے کو
جلد ہی یہ سفر ختم ہونے کو ہے
کسی بے نام ونشاں لمحے میں دل چاہتا ہے
دوریاں بس مری مٹھی میں سمٹ کر رہ جائیں
ڈوریاں خیمہ تنہائی کی کٹ کر رہ جائیں

☆☆☆

دوارب سال پہلے

دوارب سال کے بعد
یہ چمکتا ہوا سورج یہ دمکتے ہوئے لوگ
ختم ہو جائیں گے تاریکی میں کھو جائیں گے
فلسفہ شعر و ادب، ہجر و وصال
سب کا مقسوم زوال
سب اضافی ہیں مگر شور شرابا ہے کمال
دوارب سال سے پہلے بھی تو مر سکتے ہیں
لفظ و معنی کے دیار
دوارب سال بہت ہوتے ہیں
کتنے جاں دار جنم لیں گے مثالِ حشرات
اور کچھ عرصے میں مر جائیں گے
دوارب سال تلک ایک ہی چکر ہوگا
جو بھی آئے گا یہی اس کا مقدر ہوگا
اور پھر یہ بھی تو ممکن ہوگا
دوارب سال کے بعد
خاکِ بے مایہ سے پھوٹے کونپل
اور تیار ہوں اس سے جنگل

یعنی ممکن ہے کہ پھر
ہو اسی خاک سے پیدا سرِ شوریدہ کوئی
خواب زادہ کوئی اور خوابوں کا گرویدہ کوئی
یعنی ممکن ہے کہ پھر
ہوں اسی خاک پہ مانندِ خس و خار رواں
اسی انداز کے آئندہ بھی کچھ پیر و جواں
یعنی ممکن ہے کہ پھر
کوئی دانائے سخن ہو کوئی دیوانہ ہو
کوئی رکھتا ہو بصیرت کوئی بے گانہ ہو
کیا یہ ممکن ہے کہ پھر
کوئی دریائے محبت کا شناور نکلے
یہ سوالات میں کیوں پوچھ رہا ہوں سب سے
دو ارب سال سے پہلے، لیکن
کوئی تو ہوگا جو اس لمحہ موجود میں
آئندہ زمانوں کا نواگر نکلے
ورنہ پھر صرف یہ ممکن ہے کہ ہر شخص
مری طرح منافق ہو گدا کر نکلے

☆☆☆

نظم

کب تلک ظلم کے سائے میں جیے جاؤ گے
اے مظلومو!
کب تلک قتل کیے جاؤ گے تم
زندہ جلتے ہوئے انسانوں کا یہ رقصِ ستم
گولیاں کھائے ہوئے بچوں کے یہ پھول بدن
ماؤں بہنوں کے دریدہ پستان
اور لاشوں سے لپٹتے ہوئے کتے، حیوان
کیا یہ منظر تمہیں بس یوں ہی نظر آتے ہیں
تم اگر لاش نہیں ہو تو بتاؤ مرے یار
دستِ قاتل کے لیے کیوں نہیں بنتے تلوار

☆☆☆

پچاس سال ہوئے

انہیں کہو شبِ غم کو پچاس سال ہوئے
محبتوں کا ہر اک کھیت انتظار میں ہے
ہوا کو، ابر کو، نم کو پچاس سال ہوئے
اب اس زمین پہ کیسے یقیں کی فصل اگے
جہاں گمانِ کرم کو پچاس سال ہوئے
پچاس سال سے اپنوں کے بن گئے ہیں غلام
اگر چہ ختمِ ستم کو پچاس سال ہوئے
میں ایک آہوئے زنجیر کب تلک کہلاؤں
مرے خدا م ے رم کو پچاس سال ہوئے
وطن میں اب بھی فرنگی مجاز باقی ہے
اگر چہ ان کے عدم کو پچاس سال ہوئے
گزرنے والے جہازوں کے راستے ہیں وہی
سمندروں کے ستم کو پچاس سال ہوئے
فروغِ بادہ سم قصۂ بزرگاں ہے
یہاں تو اپنے ہی غم کو پچاس سال ہوئے

☆☆☆

بقدر سدرمق

میں اپنی مرضی سے اس شہر میں نہیں رہتا
یہاں کوئی مجھے آوارگی و عشق کی داد
بقدر سدرمق بھی کبھی نہیں دیتا
جہانِ حاضر و موجود کے طلسم عجب
سکونِ دیدہ و دل کے تمام اسم عجب
چمک دمک سے بھرا شہر تیرگی کا امین
یہ آدمی ہیں کہ روبوٹ جیسی کوئی مشین
دلوں میں درد نہیں ہے نظر میں نور نہیں
ہر ایک شے ہے خدا کا مگر ظہور نہیں
اگرچہ نام خدا ہے ہر اک زباں پہ یہاں
مگر بتانِ ضرورت بھی آستیں میں نہاں
ہوس غبار بھرا ہے تمام سینوں میں
تعلقات کے سکے ہیں سب کی جیبوں میں
تکلفات کے ٹیکے لگے ہیں ماتھوں پر
منافقت کے ہیں دستانے سب کے ہاتھوں پر

سب اپنے منصب و توقیر کی تلاش میں ہیں
گداگراں ہیں یہ جاگیر کی تلاش میں ہیں
مرے جنوں کی چمک کس کو راس آئے گی
سب اپنے خواب کی تعبیر کی تلاش میں ہیں
میں سوچتا تھا کہ کانوں میں اک صدا آئی
فروغ نان و نمک عشق سے زیادہ ہے
نئی رتوں میں پنپنے کا گر ارادہ ہے
تو مکر و فن کے بتوں کو ہی پوجنا ہوگا
وگرنہ یوں ہی مسائل سے جوجھنا ہوگا

☆☆☆

ہم اہلِ خوف

یہی تھکن کہ جواں بستیوں پہ چھائی ہے
اتر نہ جائے پرندوں کے شہپروں میں بھی
یہ ٹوٹے پھوٹے مکانات اونگھتے چھپر
چراغِ شام کی دھندلی سی روشنی کے امیں
نہ ان کا یار کوئی ہے نہ کوئی نکتہ چیں
نہ جانے کب کوئی دستِ ستم ادھر آ جائے
اور اس ذرا سی بچی روشنی کو کھا جائے
یہ کھلکھلاتے ہوئے ہنستے مسکراتے لوگ
بسوں میں ریلوں میں منزل کی سمت جاتے لوگ
کوئی دھماکہ انہیں جانے کب اڑا جائے
لہو کے دھبوں پہ افسوس کرتا حاکمِ شہر
اور اس کے بعد محبت پہ چند تقریریں
جو اہلِ شہر کی پیشانیوں پہ روشن ہیں
ملال یہ ہے کہ اس کو کوئی نہ دیکھے گا
ہم اہلِ خوف کے سینوں میں جو دھڑکتا ہے

☆☆☆

روئے سخن کسی کی طرف ہو

سائے میں پیڑ کے اک روز میں بیٹھا تھا نڈھال
تھے مرے ذہن میں دنیا کے ہزاروں جنجال

دیکھا اوپر تو اچانک نظر آیا مجھ کو
پیڑ کی شاخ پہ اک مرغ چمن خستہ حال

میں نے پوچھا کہ ہیں کیا رنگ ترے لوگوں کے
کچھ سنا دشت و بیابان کا اپنے احوال

سن کے کچھ دیر مری بات وہ خاموش رہا
اور پھر کہنے لگا مجھ سے بصد رنج و ملال

فہم و ادراک کا جنگل میں پڑا ایسا کال
جتنے تھے زاغ و زغن ہوگئے شاہین خصال

بھیڑیے شیروں کا انصاف کیا کرتے ہیں
خرِ خوابیدہ کی باتوں سے شتر مرغ نہال

فیصلہ جنگ کا سازش سے ہوا کرتا ہے
کام آتی ہے وہاں پر کوئی تلوار نہ ڈھال

بندروں کی وہ اچھل کود ہے شاخوں پہ کہ بس
جس سے ہوتا ہے درختوں کو بڑا اضمحلال

مینڈکوں نے وہ مچا رکھی ہے ٹر ٹر کہ وہاں
دوسری کوئی صدا سننا ہے اک کار محال

مکھیاں گریہ کناں پھولوں پہ منڈلاتی ہیں
شہد پی پی کے ہوئے جاتے ہیں بھالو بے حال

فاختاؤں کو نہیں نانِ جویں بھی حاصل
اورکوؤں کے مقدر میں لکھے ہیں تر مال

دم دبائے ہوئے ہاتھی ہیں گدھوں کے آگے
بکریاں چاہتی ہیں شیر سے ہو ان کا وصال

اب عقابوں کے پروں میں نہیں پرواز کے خواب
قابلِ دید ہے خنزیروں کی آنکھوں کا جلال

بلیاں بل میں چھپی بیٹھی ہیں ڈر کے مارے
چوہے مونچھوں کو بڑھائے ہوئے پھرتے ہیں کمال

سن کے اس کے یہ سخن میں نے کہا صد افسوس
اپنی اقلیم کی بھی ہے یہی کچھ صورت حال

مجھ سے وہ بولا کہ کیا ہے تری اقلیم کا نام
میں نے کی عرض کہ ہے شعر وادب علم وکمال

وہ یہ بولا کہ سنا اپنی کہانی مجھ کو
تاکہ سینے سے ذرا تیرے چھٹے گردِ ملال

مجھ کو بتلا کہ وہاں پہلے تھے کیسے انساں
اور اب شعر وادب کا ہے ترے کیا احوال

میں یہ بولا کہ سن اے بلبلِ فرخندہ مقال
پہلے خوددار تھے غیور تھے سب اہلِ کمال

پہلے تھی فقر وقناعت سے ہی پہچان ان کی
اور اب مملکتِ شعر میں اس جنس کا کال

پہلے شاعر کا تصور تھا بڑا رومانی
خوب رو، خوب صفت، خوب نظر خوب خیال

اب گلے بازوں نے بدلا ہے وہ منظر جس سے
شاعروں میں نظر آتے ہیں ہزاروں قوال

اجتماعات ہوا کرتے تھے پہلے ایسے
سامعین جن کے سبھی اہل نظر اہل کمال

شعر کے نام پہ نوٹنکیاں اب ہوتی ہیں
جن میں میراثی مچاتے ہیں بڑا شور دھمال

ہر غلاظت میں لتھڑنے کے لیے ہیں تیار
شاعروں کا مرے خنزیر صفت ہے احوال

روز اک تازہ قصیدہ نئی تشبیب کے ساتھ
نئے فرعونوں کی خدمت میں بصد زور کمال

جن کی اوقات نہ تھی کوئی زمیں پر کل تک
بے جھجک ان کو بنا دیتے ہیں گردوں تمثال

چائے خانوں میں دھواں دھار ادب پر تقریر
بیڑیاں پی کے نکالیں گے بہت بال کی کھال

ہر قصائی کی چھری کے تئیں اپنی گردن
پیش کرتے ہیں شہادت کا لیے دل میں خیال

فی البدیہہ شان میں یہ اس کی قصیدہ لکھ دیں
ان کو دو گھونٹ عطا کر دے اگر کوئی کلال

چند سکوں کے لیے ان کو جہنم بھی عزیز
فائدہ ہو تو رہیں قبر میں زندہ خوش حال

نازک اندام ہیں اتنے کہ وطن کی گرمی
چند گھنٹوں میں انہیں کردے پریشان نڈھال

دانش و علم سے بے بہرہ مدرس سارے
جن کو بس اپنے مناصب کا ہے دن رات خیال

چند الفاظ لکھیں نثر میں تو فرسودہ
گر کسی شعر کی تشریح کریں تو پامال

کوئی دولفظ جو لکھنے کو کہے تو اس کو
ٹال دیں کہہ کے میاں کون کرے جنگ وجدال

بھونکتے خوب ہیں یہ مثلِ سگِ شرمندہ
درسگاہوں میں ہوا علم کا وہ عام قتال

یہ لڑاتے ہیں سیاست کی پتنگیں دن رات
فائدہ جس کا ترقی کے لیے سال بہ سال

اپنے شاگردوں سے وہ سخت رویہ توبہ
بس چلے ان کا تو یہ کھینچ ہی لیں جسم سے کھال

یہ پڑھاتے ہیں سبق مکر و ریا کا ان کو
ان کے نزدیک ہیں اخلاق کی قدریں پامال

شکل وصورت سے تو بقراط کے ہیں رشتہ دار
لکھنے پڑھنے سے عداوت میں مگر اپنی مثال

جال میں مکڑی کے جس طرح پتنگا کوئی
ویسے ہی چاروں طرف ان کے گھنا مایا جال

امتحانات میں یوں دیتے ہیں نمبر جیسے
بانٹنے بیٹھے ہوں گویا یہ بڑا مال ومنال

تاکہ سب سوچیں ہوئی پڑھنے سے بینائی کم
اپنے چشموں کے بدلواتے ہیں نمبر ہر سال

شکل سے جہل کی پھٹکار چھپانے کے لیے
کچھ صفا چٹ ہیں تو کچھ رکھے ہوئے لمبے بال

کچھ اگر لکھیں کبھی ریڈیو والوں کے لیے
ذکر ایسوں کا کریں جن کی گرہ میں تر مال

شعرا بھاڑ میں جائیں انھیں کیا لینا ہے
سننے والوں کا مگر ذکر کریں گے ہر حال

گفتگو سے تو فرشتوں کے ہیں جد اعلیٰ
حرکتوں میں ہیں مگر یہ سبھی شیطان کے لال

صدر شعبہ کی سلامی میں خمیدہ ہے کمر
ان کے ہٹتے ہی نگاہوں میں منافق کا جلال

سامری کی طرح ہنستے ہیں کسی بات پہ جب
تو سمجھتے ہیں کہ توڑیں گے طلسماتِ کمال

اپنے خوابوں میں ہیں کچھوؤں کی طرح سے محفوظ
وقت کا دیو مگر جلد کرے گا پامال

کوفہ و کربلا و کرب ہیں توام لیکن
وقت آئے گا تو مٹ جائیں گے سارے جنجال

☆☆☆

منظوم تبصرہ

برائے "متن و معنی" — مصنف : پروفیسر خورشید احمد

زحتِ نو یا بنائے نقدِ جدید — 'متن و معنی' دل ونگاہ کی عید
بانگڑو لکھتے ہیں نئے نقاد — صاحبِ طرز ہیں مگر خورشید
جھول الفاظ میں ذرا بھی نہیں — کوئی جملہ نہیں ہے فہم بعید
نقدِ حالی کتابہائے نذیر — سب پہ باتیں بڑی سعید سعید
سارے مفروضے کردیئے باطل — ہر تعصب کی ہوگئی تردید
سید احمد کی نثر کے اوصاف — پڑھ کے پیدا ہوئی نئی امید
مرثیوں پر وحید اختر کے — لکھا ہے تم نے خوب فردِ فرید
نظم کا تجزیہ اژان کے ساتھ — اور زورِ بیان قابلِ دید
نثر کا اختصار کیا کہنا — کوئی اب کیا کرے گا قطع و برید
حرمتِ حرف پر ہے دال یہ بات — نہ کوئی پیش لفظ نے تمہید
بات کو طول بھی کہیں نہ دیا — اور نکتہ نہ چھوڑا کوئی مزید
جو بھی دیکھے گا اس کتاب کو وہ — یہ کہے گا کہ مرحبا خورشید
یوں ہی جاری رہے یہ جولانی — یوں ہی پھلتا رہے یہ باغ مزید
نقدِ شعر و ادب کا ہر شائق — 'متن و معنی' کو سمجھے شاہِ کلید
حالی و عسکری و فاروقی — کی روایت کے ہیں امیں خورشید

☆☆☆

تسمہ پایانِ اُردو

ہے داستانوں میں اک تسمہ پا کا حال لکھا
مربیوں کے لیے بن گیا تھا برقِ بلا

وہ دھوکہ دے کے لپٹتا تھا گردن و سر سے
وجود اس کا بھرا تھا کدورت و شر سے

پھر ایک دن اسے موجِ فنا نے ختم کیا
فسادِ خلق کو گویا خدا نے ختم کیا

ہزاروں سال پرانا ہے گرچہ یہ کردار
مگر ہیں زندہ بہت اس کے حاشیہ بردار

ہمارے عہد میں اُردو کے پیر تسمہ پا
ہیں کچھ کہیں کے تو ہیں کچھ کہیں کے زائیدہ

جدید کوئی ہے کوئی قدیم تسمہ پا
مگر ہیں سارے کے سارے عظیم تسمہ پا

پرانے منصب و اعزاز جاننے والے
نئے نفاق کے انداز جاننے والے

پرانے انجمنِ تیرگی کے روح رواں
بجھے چراغوں سے آراستہ کیے ہیں دکاں

مشاعرے کی صدارت کو قبر توڑ کے آئیں
امیر عصر کی چوکھٹ پہ ہاتھ جوڑ کے آئیں

پچاس سال پرانا کلامِ بے دانش
کہ جس کو سنتے ہوئے ذہن و دل کریں مالش

مشاعرے میں سناتے ہیں ایکٹر کی طرح
پھر اپنے بال جھٹکتے ہیں نوحہ گر کی طرح

سوار گردن اُردو پہ انتہا تک ہیں
رسائیاں بھی ہر اک شاہ ہر گدا تک ہیں

جو تسمہ پاہیں نئے ان کے شوق بھی ہیں نئے
ادب شناس بھی وہ اہل ذوق بھی ہیں نئے

حکومتوں کی چلم بھرنا کام ہے ان کا
ٹکڑگدائی میں اعلیٰ مقام ہے ان کا

گروہ کپڑوں کی صورت بدلتے رہتے ہیں
وہ سازشوں کے سہارے پہ چلتے رہتے ہیں

اکادمی ہو کہ ٹی وی کہ کوئی دانش گاہ
ہے اپنے حلقہ بگوشوں پہ صبح و شام نگاہ

کسی کو معتمدِ انجمن بناڈالیں
گدا گروں کو امیر سخن بنا ڈالیں

کسی کو ناولِ بدنثر پر صلہ دے کر
مکاں بنائیں شرابیں پئیں دعا دے کر

بدن پہ چربی کی تہہ روز چڑھتی جاتی ہے
غریب اُردو مرغن غذا کھلاتی ہے

فروغ اُردو کے دعوے جو لوگ کرتے ہیں
وہی زباں کے چراغوں کی لوکترتے ہیں

الگ الگ ہیں دکانیں مگر ہے ایک ہی کام
کفن فروش سبھی ہیں جدا ہیں لیکن نام

مزارِ غالبؔ و اقبالؔ کے مجاور ہیں
دلوں کے خبث مگر صورتوں سے ظاہر ہیں

یہ ہڈی گھر بھی چلاتے ہیں مکتبوں کی طرح
دلوں میں نفع کی خواہش ہے زرگروں کی طرح

یہ تسمہ پا تو بڑے ہیں سو ان کے نام بڑے
مگر کچھ اور ہیں جن کے نہیں ہیں نام بڑے

ہمارے شہر میں بھی کچھ چڑ قناتی ہیں
جنھیں اکادمیاں ہر جگہ بلاتی ہیں

کبھی یہ غالب خستہ کے شعر الجھا دیں
کبھی یہ مشرق و مغرب میں ٹانگ اٹکا دیں

ثقیل نثر سے مضمون کو بلند بنائیں
مواد زید و عمر سے اسے دو چند بنائیں

کبھی جو افسر شاعر نما انہیں مل جائے
تو ان کے نقد میں لکنت ہو جھرجھری آئے

کتاب حاکم احمق کے حاشیہ بردار
یہ چاہتے ہیں کہ ہم بھی کہیں انہیں سردار

اصول ان کا یہی ہے کہ بے اصول ہیں یہ
ہمیں خبر ہے مگر، کس قدر فضول ہیں یہ

یہ منصبوں پہ ہیں جب تک رہے گا راج ان کا
یہ وقت پوچھے گا ان سے کبھی مزاج ان کا

یہ مات بھانڈوں کو دیتے ہیں سوانگ بھرنے میں
بہت ہے فرق یہاں کہنے اور کرنے میں

جو لوگ شاعر حاضر ہیں ہوں گے جب معدوم
نہ کوئی یار بچے گا نہ اس کے علم کی دھوم

بدن سے اُردو کی لپٹے ہیں خون پیتے ہیں
طفیلیوں کی طرح زندگی کو جیتے ہیں

یہ ختم ہوں گے جب اُردو کا خاتمہ ہوگا
اور اس کے بعد پلاؤ پہ فاتحہ ہوگا

☆☆☆

قطعہ

وہ کائنات مٹا کر اگر دو بارہ بنائے
مجھے خرابیِ دنیا کا استعارہ بنائے

میں اس زمین سے اک ربط رکھنا چاہتا ہوں
مرا خدا مرے موسم مگر گوارہ بنائے

ایک شعر

نہ رفتگاں نہ فقیراں کی چیز ہے یہ زمیں
گروہِ تیرہ جبیناں کی چیز ہے یہ زمیں